Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

• جلد 13/ • شمارہ 4/ • نومبر/2023

معرکۂ ایمان و کفر

قنوتِ نازلہ

سچی داستان

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

BAITUSSALAM

OLYMPIAD'23

CELEBRATING THE SPIRIT OF UNITY

PAKISTAN'S LARGEST ACADEMIC & SPORTING INTERSCHOOL EVENT

DIAMOND EXCLUSIVE

Shangrila THE FOOD EXPERTS!

Fruiti-O NECTARS & FRUIT DRINKS

FAV FAV Group of Companies

PLATINUM

Eva

nisum Building Success Together

The City Tiles

GOOD OMEN

FOOD CENTRE BURNS ROAD'S BEST

FALAKNAZ GROUP

GOLD

J.

ARIF HABIB GROUP

Shield

BankIslami

SILVER

Meezan Bank The Premier Islamic Bank

Hush Puppies

BRONZE

OSAKA

بنك دبي الإسلامي Dubai Islamic Bank

SAFARI WATER BOTTLE

Benitoz HOMES

+92 342 3382283

olympiad@baitussalam.org
www.olympiad.pk

baitussalamolympiadkhi/

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

نومبر 2023

فہم وفکر

بے خطر کُود پڑا آتشِ نمرود میں عشق	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

قنوتِ نازلہ	حمیرا علیم	10
احساس	سید رشید عطا	11
سکونِ دل	نمرہ امین	12
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	14
خاندانی تعلقات کی اہمیت	ام نسیبہ	15
تقدیر	عمارہ فہیم	17
دل جوئی کے چند لمحات	حکیم شمیم احمد	19
زوالِ نعمت	ام محمد سلمان	20
درد کا درماں	وردہ جنجوعہ	21

خواتینِ اسلام

لڑادے ممولے کو شہباز سے	ام عبد اللہ	22
سچی داستان	احسن اختر	24
جگمگاتے رنگ	تماضر ساجد	25
رشتوں کی ڈور	تنزیلہ احمد	26
بھٹکتا مسافر	لائبہ عبد الستار	28
اِدراک	ماہم احسن	29
طلاق	عائشہ انیس	30
چھپکلی اور چیونٹی	ام ایشاع	31

باغچہ اطفال

ننھا ہمدرد	بنت مسعود	33
اخلاق محمدی	ڈاکٹر الماس روحی	34
یقین کی دنیا	سمیرا انور	35
دیر آید درست آید	حفصہ فیصل	36
حواریٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	بنت تاجور	37
قاسم کافٹ بال	محمد فیصل علی	38

بزمِ ادب

حمد باری تعالیٰ	شاہد الوری	42
لاکھوں درود لاکھوں سلام	ارسلان اللہ خان	42
مناجات	جناب خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ	43
گلدستہ	شیخ ابوبکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	فیضان الحق شمسی

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفترِ فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

ایمان اور کفر کا معرکہ ایسا سجا کہ انسانی دماغ اور اس میں موجود عقل دنگ رہ گئی

ایک طرف اسرائیل ہے، تادمِ تحریر اس کفر وایمان کے معرکے کو بیس اکیس دِن ہونے کو ہیں، مگر حالت اُن کی یہ ہے، بلکہ اگر کہنے دیں تو ہم میں سے بعضوں کی بھی حالت یہی ہے کہ ”عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی“ اور دوسری طرف اہلِ ایمان، اہلِ فلسطین، اہلِ غزہ کی حالت یہ ہے کہ ”بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق“

اہلِ فلسطین اور اسرائیل کی معرکے میں اگر نقصانات کی گنتی مغربی دانش وروں کی نظر سے کی جائے اور عمارتوں کی تباہی اور انسانی جانوں کے ضیاع سے کی جائے، پھر تو فلسطین گھاٹے میں ہے، مگر یہ گنتی سر کے آنکھوں کی ہے، اِسی دُنیا کو سب کچھ سمجھنے والوں کی ہے۔ مسلمانوں کی گنتی تو ایمان اور تقویٰ سے ہوتی ہے، ان بیس دِنوں میں سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں شہید لاشے اجتماعی قبروں میں دفنا کر، کئی ہزار زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے، زندگی کی جتنی شکلیں ہیں، رہائشی عمارتیں، بہترین سڑکیں، بڑی بڑی مارکیٹیں سب تباہی کی نظر کر کے بھی سبحان اللہ! اہلِ فلسطین کا ایمان گھٹا نہیں، بڑھ گیا ہے، حوصلے کم نہیں ہوئے، بڑھ گئے ہیں، اعصاب نے جواب نہیں دیا، مضبوط ہو گئے ہیں، وہاں کے بچے افسردہ نہیں ہوئے، بلکہ ان کی صبح وشام کی کھیل ہی ”شہید شہید“ بن گئی ہے۔

جنگی نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو ابھی تک کی جنگ میں جیت الحمد للہ اہلِ فلسطین اور مسلمانوں کی ہی ہے۔

◆ اہلِ فلسطین نے حملے میں پہل کی، جس کی دشمن کو توقع تک نہ تھی، 50 سال بعد پہلا حملہ ہے جو اہلِ فلسطین نے اسرائیل کے اندر جا کر کیا ہے اور سینکڑوں یہودیوں کو جہنم واصل، ہزاروں کو زخمی اور لاکھوں کو بے گھر کر کے خیمہ بستیوں میں بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔

◆ دوسرا اہلِ فلسطین نے دو سو سے زیادہ یہودیوں کو یرغمال بنایا ہے، اسرائیل ان میں سے کسی ایک کو بھی جنگ کے زور پر بازیاب کروانے میں کام یاب نہیں ہو سکا، یہ بھی مسلمانوں کی فتح ہے، جو دو چار یرغمالی چھوڑے ہیں، وہ اہلِ فلسطین نے خود کسی معاہدے کے تحت چھوڑے ہیں، اسرائیل خود کسی کو بازیاب نہیں کرا سکا۔

◆ تیسرا دشمن ابھی تک بھڑکیں مار رہا ہے کہ میں زمینی حملہ کروں گا اور غزہ کی سرزمین سے ان فلسطینیوں کو دربدر کرنے کی کوشش کروں گا، مگر ہزاروں نہیں، لاکھوں کی تعداد میں فوجی غزہ کے کنارے جمع کرنے کے باوجود ان بے سروسامان، مگر ایمان سے لبریز مسلمانوں کے سامنے دُوبدُو مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر پا رہا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

◆ چوتھا سب سے بڑھ کر دُنیا کی نظر میں اس غبارے سے بھی ہوا نکل گئی کہ اسرائیل ناقابلِ تسخیر ہے، اس کی ٹیکنالوجی ناقابلِ شکست ہے، اس کی دفاعی پوزیشن بہت مضبوط ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ چند ہزار بے روزگار، بھوک سے نڈھال، دُنیا کی سب سے بڑی جیل میں بند مسلمانوں کا مقابلہ یہ ناقابلِ تسخیر اسرائیل اکیلا کرتا، لاکھوں کی سپاہ ہے اور اربوں کھربوں کا اسلحہ ہے، مگر پھر بھی پشت پناہی کے لیے امریکا آیا اور حوصلہ افزائی کے لیے تو گویا سارا کفر ہی اُمڈ آیا، مگر کوئی ایک کامیابی بھی حاصل کرنے میں تاحال کام یاب نہیں ہو سکا۔

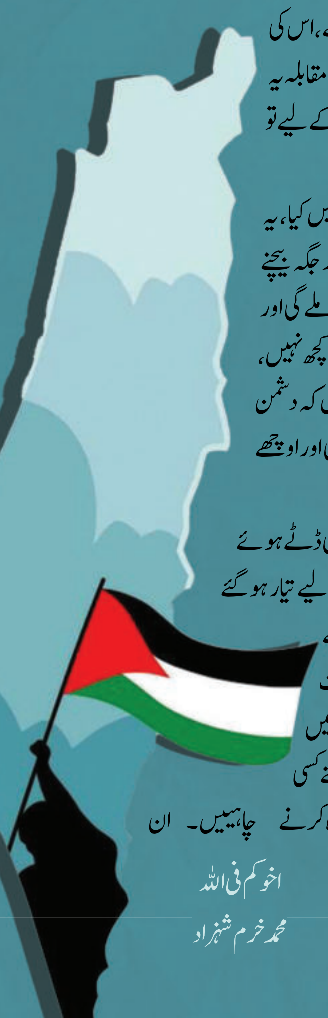

سامعینِ گرامی! اہلِ فلسطین دُنیا سے آگے بڑھ کر اپنی جانوں کا سودا جنت کے بدلے میں کر چکے ہیں۔ یہ سودا اہلِ فلسطین نے کوئی ابھی نہیں کیا، یہ بے روزگار لوگ، یہ بھوک افلاس سے مارے لوگوں کو اسرائیل کئی بار اپنی زمینیں منہ مانگے داموں پر بیچنے کی دعوت دے چکا ہے، گھر اور جگہ بیچنے پر ڈالروں کی بارش ہو گی، جس ملک کی شہریت چاہیے ہو گی، وہ ملے گی، دُنیا کی جس یونی ورسٹی میں بچے پڑھانا چاہیں گے، وہ سہولت بھی ملے گی اور بہترین نوکری اور، منہ مانگی آسائشیں بھی ملیں گی جب کہ گھر اور جگہ نہ بیچنے کی صورت میں بھوک، افلاس، غربت، بیماری اور موت کے سوا کچھ نہیں، مگر آفرین ہے فلسطین کے مسلمانوں پر، وہ اپنے آپ کو بیت المقدس کا محافظ سمجھتے ہیں، وہ القدس کو خدا کی امانت سمجھتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دشمن ہمارے جسموں سے ٹینک گزار کر قابض اور غاصب بن کر القدس تک پہنچ جائے تو ایک الگ بات ہے، ورنہ اُن کے جیتے جی اسرائیل کسی اور اوچھے ہتھکنڈوں سے بیت المقدس کو ہتھیا لے، ایسا نہیں ہو سکتا۔

قارئینِ گرامی! جب اہلِ غزہ ڈٹے ہوئے ہیں، ہزاروں شہادتوں پر بھی ڈٹے ہوئے ہیں، بے شمار زخمیوں اور دواؤں کے ناپید ہونے پر بھی ڈٹے ہوئے ہیں، کھانے اور پینے کی بندش پر بھی ڈٹے ہوئے ہیں، جب وہ ایمان کی اس بلندی پر پہنچ چکے ہیں کہ پوری دنیا کے کفر سے ٹکر لینے کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو پھر ہمارے پاس کوئی جواز نہیں بچتا کہ ہمارا ایمان یہاں ڈانواڈول ہو رہا ہو، ہم یہاں ڈر ڈر کر مر رہے ہوں۔ ہمیں سوشل میڈیا کے پروپیگنڈوں سے بالکل متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی دعا میں اہلِ فلسطین، اہلِ غزہ اور بیت المقدس کو یاد رکھنا چاہیے، اپنی اپنی مساجد میں قنوتِ نازلہ کا اہتمام کرنا چاہیے، قنوتِ نازلہ کو اپنی باقی نمازوں کے بعد کی دعاوں میں بھی رب کے سامنے گڑگڑا کر مانگنا چاہیے، ہمارے مالوں میں بھی ان مخلصین مومنین کا حصہ ہونا چاہیے، یہ سوچنا کہ یہ رقوم وہاں کیسے پہنچتی ہیں؟ اب معاملہ اس سے کہیں آگے بڑھ چکا ہے، ہمیں اپنے کسی بھی قابلِ اعتماد ادارے جیسے بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ وغیرہ کے ذریعے اپنی رقوم بھیجنی چاہییں۔ اپنے گھروں میں القدس کے تذکرے زندہ کرنے چاہییں۔ ان شاء اللہ! وہ دِن دور نہیں کہ اہلِ فسلطین کی قربانیاں رنگ لائیں گی، اسرائیل کو شکست ہو گی اور القدس آزاد ہو گا۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

المائدۃ 58-64

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ 58

ترجمہ: اور جب تم نماز کے لیے (لوگوں کو) پکارتے ہو تو وہ اس پکار کو مذاق اور کھیل کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ سب (حرکتیں) اس وجہ سے ہیں کہ ان لوگوں کو عقل نہیں ہے۔ 58

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ 59

ترجمہ: تم (ان سے) کہو کہ "اے اہلِ کتاب! تمہیں اس کے سوا ہماری کون سی بات بری لگتی ہے کہ ہم اللہ پر اور جو کلام ہم پر اتارا گیا، اس پر اور جو پہلے اتارا گیا تھا اس پر ایمان لے آئے ہیں، جب کہ تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔" 59

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ
عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ 60

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ (جس بات کو تم برا سمجھ رہے ہو) اس سے زیادہ برے انجام والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں، جن پر اللہ نے پھٹکار ڈالی، جن پر اپنا غضب نازل کیا، جن میں سے لوگوں کو بندر اور سُور بنایا اور جنھوں نے شیطان کی پرستش کی! وہ لوگ ہیں، جن کا ٹھکانا بھی بدترین ہے اور وہ سیدھے راستے سے بھی بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔ 60

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ 61

ترجمہ: اور جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لے آئے ہیں" حالاں کہ یہ کفر لے کر ہی آئے تھے اور اسی کفر کو لے کر باہر نکلے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے رہے ہیں۔ 61

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي
الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ 62

ترجمہ: اور ان میں سے بہت سوں کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم اور حرام خوری میں لپک لپک کر آگے بڑھتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جو حرکتیں یہ کرتے ہیں، نہایت بری ہیں۔ 62

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ
عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ 63

ترجمہ: ان کے مشائخ اور علما ان کو گناہ کی باتیں کہنے اور حرام کھانے سے آخر کیوں منع نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل نہایت برا ہے۔ 63

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا
بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ وَلَيَزِيْدَنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي
الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ 64

ترجمہ: اور یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں اور جو بات انھوں نے کہی ہے، اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے اور (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر نازل کی گئی ہے، وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی اور ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لیے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جب کہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ 64

تشریح نمبر 1: جب وہ مدینہ کے یہودیوں نے آں حضرت ﷺ کی دعوت کو قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کے طور پر کچھ عرصے کے لیے معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا۔ اس موقع پر بہ جائے اس کے کہ وہ ہوش کے ناخن لیتے، ان کے بعض سرداروں نے یہ گستاخانہ جملہ کہا: "ہاتھ کا بندھا ہونا" عربی میں بخل اور کنجوسی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا ان کا مطلب یہ تھا کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے، حالاں کہ بخل کی صفت تو خود ان کی مشہور و معروف تھی، اس لیے فرمایا گیا کہ "ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں۔"

تشریح نمبر 2: یہ یہودیوں کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے، جو وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر کرتے رہتے تھے، اگرچہ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن درپردہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں پر کوئی حملہ ہو اور وہ اس میں شکست کھائیں، مگر اللہ تعالیٰ ہر موقع پر ان کی سازش کو ناکام بنا دیتے تھے۔

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

نظامِ عدالت

لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مختلف نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے اور حق داروں کو ان کا حق دلوانے، نیز تعزیر و سزا کے مستحق چوروں، ڈاکوؤں جیسے مجرموں کو سزا دینے کے لیے محکمۂ قضا یعنی نظامِ عدالت کا قیام بھی انسانی معاشرے کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاملات کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے پوری رہ نمائی فرمائی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ کی زندگی میں تو اس کا سوال ہی نہیں ملتا تھا، لیکن جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ آ بسے اور یہاں اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو اس وقت نظامِ عدالت بھی اپنی ابتدائی سادہ شکل میں قائم ہو گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ، نبی اور رسول ہونے کے ساتھ قاضی اور حاکمِ عدالت بھی تھے، نزاعی معاملات آپ ﷺ کے سامنے آتے اور آپ ﷺ ان کا فیصلہ فرماتے، حدود جاری کرتے، یعنی سزا کے مستوجب مجرمین کو قانونِ خداوندی کے مطابق سزائیں دلواتے۔ قرآنِ مجید میں براہِ راست آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدۃ: 49)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ لوگوں (کے نزاعات و معاملات) کا فیصلہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت اور اس کے قانون کے مطابق کیا کریں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء: 105)

ترجمہ: ہم نے نازل کی آپ کی طرف "کتاب" حق (کی ہدایت) کے ساتھ تاکہ آپ (ﷺ) لوگوں کے لیے باہمی معاملات کا فیصلہ کریں اللہ کی رہ نمائی کے مطابق۔

عادل اور غیر عادل حاکم وقاضی

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَشَدَّهُمْ عَذَابًا اِمَامٌ جَائِرٌ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم قیامت کے دن اللہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارے ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا اور (اس کے برعکس) وہ اربابِ حکومت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے، جو بے انصافی کے ساتھ حکومت کریں گے۔

قاضیوں کے لیے رہ نما اصول اور ہدایات

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مقدمہ کے دونوں فریق حاکم کے سامنے بیٹھیں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں (مدعی اور مدعا علیہ) کے ساتھ اس کا برتاؤ مساویانہ ہو، کسی فریق کی کسی خصوصیت یا تعلق کی وجہ سے اس کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ ہو، قاضی کے سامنے دونوں کی نشست یکساں ہو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِيْ كَيْفَ تَقْضِيْ؟ قَالَ عَلِيٌّ: فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدَ هٰذَا (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "جب تمہارے پاس دو آدمی (کوئی نزاعی معاملہ اور مقدمہ لے کر) فیصلہ کرانے آئیں تو تم پہلے ہی فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے دو، جب تک کہ دوسرے کا بیان نہ سن لو، ایسا کرو گے تو تم سمجھ لو گے اور جان لو گے کہ تم کس طرح اور کیا فیصلہ کرو۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں برابر قاضی رہا ہوں۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو فرمایا تھا، اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ مقدمات و نزاعات کے فیصلے کے باب میں طبقۂ صحابہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی قاضی اور حاکم (کسی معاملے کا فیصلہ) ایسی حالت میں ہرگز نہ کرے کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔

تشریح: غصے کی حالت میں انسان کا ذہنی توازن درست نہیں ہوتا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ایسی حالت میں کوئی حاکم عدالت کسی مقدمہ اور قضیہ کا فیصلہ نہ کرے، ایسے وقت غور و فکر کر کے رائے قائم کرے اور فیصلہ کرے، جب دماغ ٹھنڈا اور اعتدال و سکون کی حالت میں ہو۔ (اور اگر حاکم کو غصہ مقدمہ کے کسی فریق پر ہو تو اس کا بھی خطرہ ہے کہ فیصلے میں ناانصافی ہو جائے۔)

Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
Pakistan's No.1*
Liquid Seasonings
WORCESTERSHIRE SAUCE
Traditional Recipe
CHILLI SAUCE
Sizzling Hot
SOY SAUCE
Authentic Taste
SYNTHETIC VINEGAR
Tangy Twist
NOW IN
NEW LOOK
*Foresight Household Panel 2023
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan
ShangrilaFoods

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

معرکۂ ایمان وکفر

ملتِ اسلامیہ، امتِ مسلمہ، اہلِ ایمان، اہلِ دین، دین سے محبت کرنے والے!! مسلمان امت کو اپنا جسم کا حصہ قرار دینے والے آج ایک کرب کی زندگی میں ہیں، تکلیف میں ہیں، بے بسی کے عالم میں ہیں، جو بھی مسلمان فلسطین اور غزہ کے مسلمان بہنوں کو، بیٹیوں کو، ماؤں کو اپنے جسم کا حصہ مانتا ہے، جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جسم کا حصہ قرار دیا ہے، وہ ضرور تکلیف محسوس کر رہا ہے، درد محسوس کر رہا ہے، بسا اوقات ان بچیوں کی حالت دیکھتے ہیں، ان ماؤں کی فریاد سنتے ہیں، ان کے زخم دیکھتے ہیں تو نیندیں اُڑ جاتی ہیں، تکلیف کی یہ کیفیت ہے، یہ درد ہے، لیکن۔۔۔!!

اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن جیسی دولت دی ہے، اس سے حوصلہ ملتا ہے، طاقت ملتی ہے، قرآن کے نور سے توانائی آتی ہے، صبر اور ہمت کا درس ملتا ہے۔

آیئے! ایک منظر دیکھتے ہیں۔ اُحد کا میدان ہے، آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس لہولہان ہو گیا، آپ ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے، پیارے نبی ﷺ کے پیارے ساتھیوں کے زخم اور شہدا سامنے ہیں، ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہیے کہ ایسے مناظر کتنی تکلیف دیتے ہیں، ولولہ تو کیا۔۔۔ حوصلہ بھی گم ہونے لگتا ہے، ایسے میں اللہ کی طرف سے حوصلہ ملا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

غم نہ کرو، کم ہمت نہ ہو، کمزوری نہ دِکھاؤ، سر بلند تم ہی رہو گے، اگر تم ایمان والے ہو۔

یہ الفاظ ایسی غذا اور دوا بن گئے، جن سے مومنین کو طاقت مل گئی۔ باقی جہاں تمہارے پیارے گئے ہیں، یعنی جو شہید ہو چکے ہیں، ان کی جدائی کا غم تو رہے گا، لیکن وہ ہیں کہاں؟ اور کس حالت میں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ

ان شہدا کو مرا ہوا نہ سمجھو، انھیں تو ایسی زندگی ملی ہے، جس پر ہزاروں زندگیاں قربان۔

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

یہ دنیا میں اپنے دستر خوان سے کھایا کرتے تھے، اب یہ اللہ کے دستر خوان پر کھاتے پیتے ہیں۔ ان یہودیوں کے ہاتھوں جو قتل ہو رہے ہیں، ان کی شہادت پر بھی بھلا کوئی شک ہو سکتا ہے؟ یہ ظالم دراصل اس درندہ صفت قوم کی نسل ہیں، جو نبیوں کو قتل کیا کرتے تھے

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ

باقی شہدا کی زندگی بہ ظاہر ختم نظر آتی ہے، وہ حقیقت میں زندہ ہیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

وہ بہت خوش ہیں، جو انھیں اللہ نے آج دیا ہے۔

قرآنِ مجید ایمان والوں کو کتنے حوصلے اور کتنی توانائی کی غذا دیتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ

اگر آج تمہیں زخم لگے ہیں تو یہ زخم انھیں بھی لگے ہیں، اللہ تعالیٰ پھیرتے رہتے ہیں۔

غزوۂ احزاب کا منظر دیکھیے! قرآنِ پاک نے اس کی تصویر کھینچی اور اس کا نقشہ پیش کیا

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا

اس لشکر میں نبی ﷺ موجود ہیں، خوف کا عالم یہ ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، کلیجہ منہ کو آنے لگا ہے، قرآنِ کریم میں فرمایا: وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ''تم مسلمان اللہ کے بارے میں عجیب و غریب خیال کرنے لگے۔'' مدد کب آئے گی؟ کامیابی کب ملے گی؟ مسلمانوں کی یہ کیفیت نبی ﷺ کی موجودگی میں تھی۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا

وہاں مسلمانوں کو خوب ہلایا گیا، وہاں منافق کھل کے آئے، کہنے لگے: اتنی بڑی طاقت کو چیلنج کیوں کیا ہے؟ آج کل بھی ذرائع ابلاغ پر منافقین کا ٹولہ سرگرم ہے، جو یہ کہتا نظر آتا ہے کہ اتنی بڑی طاقت کو چیلنج کیا ہی کیوں تھا؟ اس کو یوں سمجھ لیجیے، گھر میں کوئی ظالم آ

جائے، ایک بیٹا اپنی بیٹی اور بہن اور اپنی ماں کی عزّت اور آبرو کے تحفّظ کے لیے کھڑا ہو جائے اور جان بھی داؤ پر لگا دے اور دوسرا بیٹا اس ظالم کے ساتھ صلح کر لے اور اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی ماں اور بہنوں کی آبرو لٹتی ہوئی دیکھے۔ آج دنیا ظالم اور حملہ آور سے صلح بلکہ دوستی کرنے والے دیوث کو روشن خیال سمجھتی ہے۔

75 سال سے فلسطین کا مسلمان اپنی ماؤں، بہنوں بیٹیوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھ رہا ہے، اس ظلم کے خلاف کچھ غیرت مند اٹھے اور کہا: بس بہت ہو گیا، ہم مسجد اقصیٰ کا تحفّظ بھی کریں گے، اپنی بہنوں اور بیٹیوں کا تحفّظ بھی کریں گے، دو ہی راستے ہیں یا تو اللہ کی نصرت سے غلبہ ملے گا یا شہادت ملے گی، مسلمان دونوں حالتوں میں کام یاب ہے۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے دنیا کو سمجھا دیا، اسرائیل کی انٹیلیجنس اور عسکری طاقت کو صرف چیلنج نہیں کیا، بلکہ اسرائیل کو شکست کا ایسا خوف اور دھڑکا لگا دیا کہ وہ امریکا و فرانس اور دوسری طاقتوں سے مدد لے رہا ہے۔ اسرائیل کو عسکری طور پر چیلنج کرنے والے مسلمانوں نے اپنے دشمن پر اخلاقی فتح بھی حاصل کی ہے کہ دشمن کے بچوں کو نہیں مارتے، عورتوں پر ظلم نہیں کرتے، شفاخانوں پر حملہ نہیں کرتے، قیدیوں کو اس طرح رکھا ہے، جس طرح دینِ اسلام کی تعلیم ہے، اخلاقی طور پر بھی جیت ہے اور سفارتی سطح بھی اور انھیں اللہ کی مدد اور نصرت پر یقین ہے، دشمن کی فوج طاقت کے باوجود بزدلوں کی طرح دوڑ رہی ہے اور میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے ہسپتالوں اور عام مسلمان بستیوں پر حملے کر رہی ہے۔

حضورِ پاک ﷺ کے زمانے میں جب مسلمان زخمی ہوئے، اپنے پیاروں کو کندھوں پر اٹھایا، شہدا کی لاشیں اٹھائیں اور ان لاشوں میں حضورِ پاک ﷺ کا چچا بھی تھا۔

ان کی شہادت بڑی دردناک تھی، اتنی دردناک کہ جسم کے اتنے ٹکڑے کیے گئے کہ پہچان مشکل ہو گی، اللہ کے نبی نے انھیں اعزاز بخشا، انھیں سیّد الشہدا کا مرتبہ دیا۔

ایسے موقع پر کفّار کے پیغام پہنچانے والے آئے، کہنے لگے:

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا

کفر ساری طاقت تمہارے خلاف اکٹھی کر رہا ہے، فَاخۡشَوۡهُمۡ تمھیں اس سے ڈرنا چاہیے، لیکن جب ایمان والوں کو یہ پتا چلا کہ ہمارے مقابلے میں ساری دنیا کا کفر اکٹھا ہو رہا ہے تو قرآن کہتا ہے: فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ان کا ایمان اور بڑھ گیا اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ شیطانی ذرائع ابلاغ، شیطانی طاقتیں مسلمانوں کو کافروں کی طاقت سے ڈراتی ہیں فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ اے ایمان والو! ان سے نہ ڈرو، وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ بلکہ مجھ سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔

مسلمان تو ایمان کے سہارے لڑا کرتا ہے، جائیداد کی لڑائی نہیں، مفادات کی لڑائی نہیں، عہدے اور منصب کی لڑائی نہیں، ان کے سامنے دونوں راستے تھے، ایک راستہ غلامی کا بھی تھا کہ تم خوب ترقی کرو، تم معاشی لحاظ سے، عسکری لحاظ سے دنیاوی لحاظ سے، خوب ترقی کرو، لیکن رہو میرے غلام بن کے! یہ راستہ بھی تھا ان کے پاس اور دوسرا راستہ کہ اگر میری غلامی منظور نہیں تو پھر تمہیں میرے ظلم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انھوں نے کہہ دیا: ہم جان کی بازی تو لگا دیں گے، لیکن کافر کی غلامی قبول نہیں۔۔۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ نے حضورِ پاک ﷺ کا پیغام سنایا امت کو اور قیامت تک کے لیے امت کے پاس نبی پاک ﷺ کا یہ پیغام موجود ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: يُوشِكُ الْأُمَمُ ایک وقت آئے گا أَنْ تَدَاعَىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَىٰ قَصْعَتِهَا ایک وقت ایسا آئے گا کہ سارا کفر تمہارے خلاف ایسا اکٹھا ہو گا، جیسے بھوکے لوگوں کو کھانے کی طرف بلایا جائے، گویا کہ تم دسترخوان ہو اور تمہارے خلاف کفر کو اکٹھا کیا جائے گا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ صحابہ نے سوال کیا کہ "کیا ہماری تعداد تھوڑی ہو گی کہ کفر ہمیں کھانے کو دوڑے گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تعداد تو بہت ہو گی بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهَنَ لیکن تم اتنے بے وزن ہو جاؤ گے، اتنے بے قیمت ہو جاؤ گے کہ جیسے سیلاب کے اوپر کا کچرا، ایسا کچرا بے وزن بے قیمت جس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں، جدھر پانی کا رُخ اُدھر وہ اور دشمن کے دل سے تمہارا دبدبہ، رعب ختم ہو جائے گا اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہو جائے گا فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ (ﷺ)! وَمَا الْوَهَنُ؟ پوچھا: یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ جینے کا شوق اور موت سے نفرت!!

اور سچے نبی ﷺ نے جو بات فرمائی، آج دنیا میں نظر آ رہی ہے۔ آج یہ بات کھلی آنکھوں نظر آ رہی ہے کہ 56 ممالک کے حکم رانوں میں اور سلطنتوں کے اندر وہن بیٹھا ہوا ہے۔ اتنی توانائی، اتنی طاقت، اتنے وسائل، اتنی عسکری طاقت ہوتے بھی وہن غالب ہے۔

اسرائیل اور حماس کے درمیان جنگ سے ایک اور چیز نظر آئی کہ مسلمانوں کو آج امریکا، یورپ، مغرب کا چہرہ سامنے آیا۔ انسانی حقوق، عورتوں کے حقوق، بچوں کے حقوق کا نعرہ لگانے والوں کے چہرے سے یہ نقاب بھی اتر گیا۔ ان کے رویے سے تو یہی لگتا ہے کہ ان کی ڈکشنری میں مسلمان تو انسان ہی نہیں، خاص طور پر وہ مسلمان جو ان کی غلامی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

ایک چیز کا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے کہ ایسے حالات میں صحیح ذرایع سے مربوط رہیں، نبی ﷺ کی سیرت، قرآن، حدیث کے نور سے روشنی حاصل کرنی چاہیے، ورنہ ذرایع ابلاغ میں جو لوگ ہیں، ان میں اکثر وہ ہیں جو ہمارے ایمان کو کم زور کرنے والی باتیں کریں گے، ان پر اعتماد اور بھروسا کیا تو خوف زدہ اور بزدل ہی لگیں گے اور یہ یاد رکھنا چاہیے فلسطینی مسلمان پوری امتِ مسلمہ کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر رہے ہیں۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ مسجدِ اقصیٰ میری اور آپ کی بھی ہے، بیت المقدس میرا اور آپ کا بھی قبلہ اوّل ہے اور تیسرا حرم ہے، اگر آج ہم اس سے بے نیاز ہو گئے کہ ہمارا اس سے کیا تعلق؟ کل یہودی اپنے مذہب کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہم نے حجاز جانا ہے، ہم نے مدینہ جانا ہے، ہم نے بیت اللہ تک پہنچنا ہے۔ سوچنا چاہیے ایسی حالت میں ہمارا رویّہ کیا ہو گا؟ کیا ہم یہی کہیں گے کہ یہ ہماری جنگ نہیں! یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ میرے اور آپ کے ایمان کا معاملہ ہے۔ ہمیں تنہائیوں میں اللہ سے مانگنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کفریہ طاقتوں کے چیلنج کرنے والوں کی قدم قدم پہ مدد اور نصرت فرمائے اور اپنی عجائبات کی قدرت کی نشانیاں دِکھائے اور وہاں کی بیٹیوں کی، بہنوں کی، ماؤں کی، اللہ رب العزّت سہولت کی شکلیں پیدا فرمائے۔ آمین!

فلسطین کے حالات دیکھ کر ہر مسلمان دُکھی ہے۔ مخیّر حضرات اور بیرونِ ملک مقیم مسلمان ان کی مالی مدد بھی کر رہے ہیں اور انھیں اشیائے ضرورت بھی پہنچا رہے ہیں، لیکن جو صاحبِ حیثیت نہیں یا جو پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں، وہ بے چین ہیں کہ کیسے اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ اس کے دو طریقے ہیں۔ ان مسلم این جی اوز کو عطیہ دے کر اور دوسرا ان کے لیے سجود، تہجد، تشہد، وتر اور فرض نماز کے بعد دعا کر کے۔۔۔ اس کی دلیل حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک مہینے تک نمازِ فجر میں قنوت پڑھی، جس میں آپ نے عرب کے بعض قبیلوں: رِعل، ذکوان، عُصَیَّہ اور بنی لِحیان کے خلاف بد دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک قنوتِ نازلہ پڑھی اور اس کے بعد چھوڑ دی۔ (سننِ ابوداؤد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی ہے؟ انھوں نے فرمایا: "ہاں۔" پھر پوچھا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی ہے یا رکوع کے بعد؟ فرمایا: "رکوع کے بعد۔" (سننِ ابوداؤد)

لفظ قنوت کے معنی ہیں دعا اور قنوت تین ہیں: ایک وہ جو وِتر میں پڑھی جاتی ہے۔ دوسری قنوتِ نازلہ ہے، یعنی وہ قنوت جو دشمن کی طرف سے آنے والی اُفتاد کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ قنوت اجتماعی ہے، جب مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے کسی آفت کا سامنا ہو تو انھیں قنوتِ نازلہ پڑھنی چاہیے۔ قنوت صرف نمازِ فجر کی دوسری رکعت کے قومے میں پڑھی جائے۔

قنوتِ نازلہ جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آ جائے یا فتنے میں مبتلا ہوں تو اسے پڑھا جائے۔ (خیر الفتاویٰ 288/2)

جب طاعون یا ہیضے وغیرہ کی وبا پھیل جائے، جس سے لوگ مضطرب اور پریشان ہوں تو قنوتِ نازلہ پڑھی جا سکتی ہے، تاآں کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج:6، ص:21)

قنوتِ نازلہ سب کے لیے

قنوتِ نازلہ کا حکم عام ہے، مرد، عورت، امام، منفرد ہر ایک شامل ہے۔ جماعت کی قید اور مردوں کی تخصیص اور منفرد یا عورتوں کے لیے ممانعت کی صریح اور صحیح دلیل منقول نہیں ہے۔ "قَنَتَ الْإمَامُ" اس کے لیے کامل دلیل نہیں ہے، لہٰذا منفرد اور عورتیں اپنی نماز میں دعائے قنوت پڑھ سکتی ہیں، مگر عورتیں زور سے نہ پڑھیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج:6، ص:23)

قنوتِ نازلہ پڑھنے کا طریقہ

اس لیے عام مصیبت کے وقت بالاتفاق نمازِ فجر کی جماعت میں قنوتِ نازلہ پڑھنا مسنون و مستحب ہے، جس میں نہ وِتر کی طرح ہاتھ اٹھائیں نہ تکبیر کہیں۔ (جواہر الفقہ، ج:6، ص:126) یعنی قنوتِ نازلہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ کر امام قومہ کرے اور اسی حالت میں دعائے قنوت پڑھے اور جہاں جہاں وہ ٹھہرے، وہاں سارے مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں، پھر دعا سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں چلے جائیں اور بقیہ نماز امام کی اقتدا میں معمول کے مطابق ادا کریں۔ دعا سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائیں۔ اگر یہ دعا مقتدیوں کو یاد ہو تو بہتر ہے کہ امام بھی آہستہ پڑھے اور سب مقتدی بھی آہستہ پڑھیں اور اگر مقتدیوں کو یاد نہ ہو، جیسا کہ اکثر تجربہ اس کا شاہد ہے تو بہتر یہ ہے کہ امام زور سے پڑھے اور سب مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں۔ (عمدۃ الفقہ، ج:2، ص:296 بترمیم)

قنوتِ نازلہ

قنوتِ نازلہ مختلف روایات میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، ایک جامع دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِیْ مَنْ هَدَیْتَ، وَعَافِنَا فِیْ مَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنَا فِیْ مَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَا أَعْطَیْتَ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ، فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، اِنَّه لَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، وَ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَ أَصْلِحْهُمْ وَ أَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِهِمْ، وَ أَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلَی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّهِمْ، اِلٰهِ الْحَقِّ، سُبْحَانَکَ، لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ۔ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَسَاکِرَ الْمُسْلِمِیْنَ، وَالْعَنِ الْکَفَرَةَ وَالْمُشْرِکِیْنَ، الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ، وَیُقَاتِلُوْنَ أَوْلِیَائَکَ۔ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِهِمْ، وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ، وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهِمْ، وَاَلْقِ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ، وَخُذْهُمْ أَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ، وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّه عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ

اُمید ہے! سب قارئین فلسطینیوں کے لیے نہ صرف خود قنوتِ نازلہ پڑھیں گے، بلکہ دیگر مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے پر آمادہ کریں گے۔ ان شاء اللہ!

احساس

سید رشید عطا

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر اور میری زبان سے گرہ کھول دے کہ میری بات سمجھ لیں۔

اللہ رب العزت کی لاتعداد و لامحدود نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت "احساس" ہے۔ احساس کے لغوی معنی ہیں، شعور وجدان یا حواسِ خمسہ (باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ، شامہ) میں سے کسی حس کے ذریعے کچھ معلوم کرنا۔ اس کے معنی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اپنی اشرف مخلوق کو ودیعت کی ہے۔ احساس انبیائے کرام علیہم السلام کے خصائل میں سے ہے اور اس کی اعلیٰ وارفع مثال ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی ذات پاک ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ: 128)

"بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف ومشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب وآرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا تذکرہ قرآنِ مجید میں ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آلِ عمران: 159)

"(اے حبیب!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۔"

لیکن افسوس صد افسوس! کہ ہم مسلمان امتِ محمدی ﷺ من حیث القوم اس نعمت سے محروم ہوتے چلے جارہے ہیں۔ احساس نام کا جذبہ معاشرے کی بے حسی کی نظر ہوگیا اور ہم ہر قسم کے احساسات سے عاری ہوچکے ہیں، نہ ہمیں اپنوں کی تکالیف نظر آتی ہیں اور نہ ہی دوسروں کے دکھ درد کی کوئی اہمیت ہے، حالاں کہ دوسرے کی تکلیف پر بے حسی کا مظاہرہ انسانیت کی علامت نہیں ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، دوسروں کا احساس کرنا ہی اس اشرف مخلوق کی ایک بڑی خوبی ہے، اسی احساس کی بدولت وہ دوسروں کی مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے اور دعائیں بھی حاصل کرتا ہے۔

اشفاق احمد صاحب کہا کرتے تھے: "فاتحہ لوگوں کے مرنے پہ نہیں بلکہ احساس کے مرنے پہ پڑھنی چاہیے، کیوں کہ لوگ مرجائیں تو صبر آجاتا ہے، مگر احساس مرجائے تو معاشرہ مرجاتا ہے۔"

ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انسان نے محسوس کرنا چھوڑ دیا کیوں کہ اسے چیزوں سے محبت ہوگئی ہے اور چیزوں میں احساس نہیں ہوتا اور بے حس انسان رفتہ رفتہ خواہشات کا غلام ہوتا چلا جاتا ہے اور جو خواہش کا غلام ہوا وہ مٹ گیا اور جو احساس کا مالک ہوا وہ باقی رہ گیا۔ احساس بنیادی طور پر نفسیات کی اصطلاح ہے، جن رشتوں میں احساس نہیں ہوتا وہ رشتے زمین پر پڑے ان سوکھے پتوں کی طرح ہوتے ہیں جو کبھی پل میں ادھر یا ادھر پھر رہے ہوتے ہیں اور بالآخر وہ پتے کسی کے پاؤں میں آکر کچلے جاتے ہیں۔

بے حسی انسان اور انسانیت دونوں کی دشمن ہے اور بے حس لوگ احساس والوں کا جینا حرام کردیتے ہیں کیوں کہ لفظوں کے دانت نہیں ہوتے، مگر یہ جہاں کاٹتے ہیں وہ گھاؤ زندگی بھر نہیں بھرتے، لہٰذا زندگی کو آسان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ محبت اور برداشت کا رشتہ ترک نہ کیا جائے، اس لیے کہ محبت ایک خوب صورت احساس، پت جھڑ میں بہار اور صحرا میں بارش کی بوند کا نام ہے۔ خواجہ میر درد نے اپنے اس شعر میں احساس کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

ہمارے دین کی ہر بات حکمت سے پُر ہے، حسنِ معاشرت کے ہر پہلو کو بڑے خوب صورت انداز میں سمجھایا گیا ہے، بلکہ عملی طور پر اس کی عکاسی کی گئی ہے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ایسے واقعات سے منوّر ہے، جہاں آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ذات کو تکلیف میں رکھ کر سامنے والے کے ساتھ بھلائی کی، بلا تفریق، چاہے سامنے والا مسلمان ہو یا کافر۔۔۔ آپ ﷺ کے اسی حسنِ سلوک سے سامنے والا نہ صرف آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے گن گاتا، بلکہ کلمہ طیبہ پڑھنے پر مجبور ہوجاتا۔

اللہ کو سب سے پیارا وہ بندہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کرے۔

عَنْ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور اُن کی ضروریاتِ حیات کا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے،

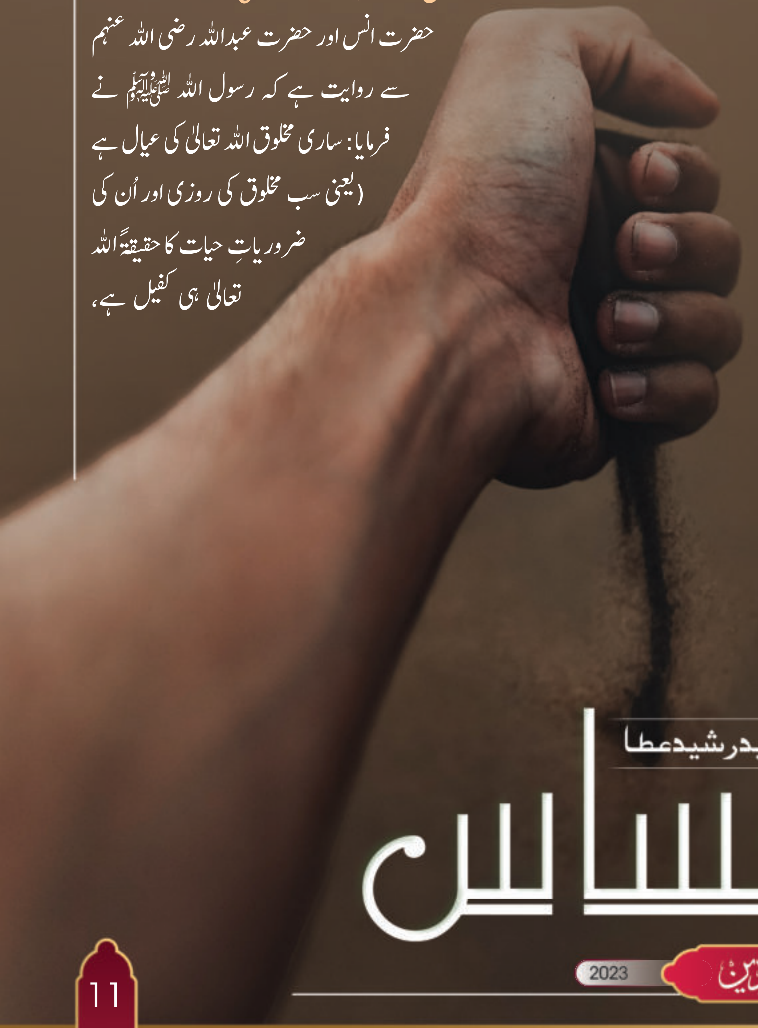

دل کا سکون کس میں ہے؟

نمرہ امین

"انسان کی زندگی اللہ کا عطا کیا ہوا خاص تحفہ ہے اور یہ زندگی اللہ کی امانت ہے، ہر انسان کو اس امانت کی حفاظت کرنی چاہیے۔"

انسان کی زندگی میں ہر قسم کا وقت اور طرح طرح کے موڑ آتے ہیں، جہاں انسان کو ہمت، حوصلہ، برداشت، صبر و تحمل کے ساتھ وقت گزارنا پڑتا ہے۔

جب کبھی خوشیاں اور آسائشیں انسان کو اللہ کی طرف سے غافل کرتی ہیں، تب انسان راستہ بھٹک کر مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے اور زندگی میں بہت سی پریشانیوں، تکالیف، رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے۔ بے شک امتحانات اور آزمائشیں دنیا میں نظامِ الٰہی کا حصّہ ہیں۔ امتحانات اور مشکلات کے بھنور میں بسا اوقات حالات انتہا درجے تک بگڑ بھی جاتے ہیں اور مصیبتیں، پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں، جس وجہ سے بدگمانیاں، مایوسی اور نا اُمیدی دل میں گھر کر جاتی ہے۔

"شیخ سعدی نے فرمایا تھا: مایوسی ایسی دھوپ ہے، جو سخت سے سخت وجود کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔"

"مایوسی اس احساس کا نام ہے، جو ایک انسان اپنی خواہش کی تسکین پوری نہ ہونے کے طور پر محسوس کرتا ہے، کیوں کہ خواہش پوری نہ ہونے پر اس کے دل و دماغ میں تلخی کا جو احساس پیدا ہوتا ہے، اسے مایوسی کہتے ہیں۔" جب ایک انسان ناکامیوں اور مشکلات کے بھنور میں پھنس جاتا ہے تو اس کے لیے دو راستے ہوتے ہیں۔ ایک مثبت اور ایک منفی راستہ۔ ایسے میں اگر انسان "مثبت" راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کی سب مشکلات، پریشانیاں، ناکامیاں ختم ہو کر اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگا دیتی ہیں۔

اسی طرح "منفی" راستہ اگر اختیار کیا جائے تو مایوسی اس کا مقدّر بن کر اسے احساس کم تری، خوف، جرم یہاں تک کہ خودکشی جیسے انتہائی اقدام تک لے جاتی ہے۔

یہاں اگر ایک انسان یہ سوچے کہ اس دنیا کا نظام ہی خالقِ کائنات کے ہاتھ میں ہے جو یہ پوری کائنات کو چلا رہا ہے تو ہم تو اسی کے پیارے بندے ہیں، ہم کیوں نہیں اپنے اللہ پر یقین کرتے ہیں؟ ہم کیوں طرح طرح کی منفی سوچ اپنے ذہن میں رکھ کر ہر طرح کے خیالات دل میں لاتے ہیں؟ اگر انسان مایوسی اور ناامیدی کو دل سے یہ کہہ کر اور اس یقین سے نکالے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، وہ کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا، کیوں کہ اللہ ہی ہے جو انسان کے سامنے ایسے راستے بناتا ہے جو اللہ پر توکل کرنا سکھاتا ہے۔ انسان کے حالات اتنے بے بس کر کے اپنے قریب کرتا ہے، اللہ ہی ہے جو لوگوں کی باتوں سے تمہیں توڑ کر خود سے جڑواتا ہے، حالات سے مجبور ہو کر تمہیں سجدوں تک لے آتا ہے۔ اللہ بہت رحمان و رحیم ہے، وہ بہتر کو تم سے دور کر کے بہترین سے نوازتا ہے۔ اللہ تمہیں ہر آزمائش سے گزار کر تمہیں معجزوں تک لاتا ہے۔ یہ اللہ کی ہی شان ہے، جو وہ اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے اور اپنے ہر بندے کو نماز اور دعا کے ذریعے اپنے قریب کرتا ہے۔ "یہی وہ مایوسی کے اوقات ہوتے ہیں جب اللہ کی یاد، اللہ پر یقین ہمیں خود سے آشنا کرواتا ہے اور ہمارے دلوں کو چین و قرار آتا ہے۔"

یہ وہ سکون ہوتا ہے کہ انسان خود سے اس قدر آشنا ہو جاتا ہے کہ اس کی مایوسی، ناامیدی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا یقین، توکل بس اللہ کی ذات پر ہوتا ہے کہ وہی رب العالمین تمام پریشانیوں کو ختم کر کے اچھا راستہ دِکھائے گا۔

"بے شک دلوں کا اطمینان و سکون اللہ کی یاد میں ہے۔"

جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل و عیال کی روزی اور اُن کی ضروریات کا مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

آیئے! ہم سب مل کر اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں اپنی روزمرّہ زندگی کا محاسبہ کریں کہ ہمارا طرزِ عمل کیا ہے۔ کیا اللہ کی مخلوق جو کہ اللہ کا کنبہ ہے، اس کے ساتھ ہمارا برتاؤ درست ہے؟ یقیناً مایوسی ہو گی، کیوں کہ ہمارے معاشرے کی تشکیل طبقاتی بنیادوں پر ہے، جہاں انسان کی نہیں بلکہ اس کی مالی حیثیت کی اہمیت و وقعت ہے۔ امیری اور غریبی کے اس فرق نے پورے معاشرے کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ امیر، امیر سے امیر تر جبکہ غریب، غریب سے غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ الغرض! رفتہ رفتہ ہماری معاشرتی اقدار دم توڑتی جا رہی ہیں، جس کی وجہ سے معاشرہ تنزلی کا شکار ہے اور اس کی بنیادی وجہ انسان کا صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچنا اور احساسات سے عاری ہونا ہے جبکہ

اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں
ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

احساس کیجیے! کیوں کہ احساس زندگی اور نعمت ہے اور احساس کی نعمت اللہ رب العزت اپنے مقرّب اور چنیدہ بندوں کو عطا فرماتا ہے اور کل بروزِ حشر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے متعلّق سوال کریں گے، جیسے کہ سورۃ التکاثر میں بیان کیا

"ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ" پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے۔

رب کریم مجھ سمیت ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

SO CLOSE TO
100
Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
99
LA PERFUME
رہو خوشبوؤں میں
Perfect
FRESHENER

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم اور نمازِ جنازہ کی ابتدا

سوال: غائبانہ نمازِ جنازہ کا تصور یا حکم کہاں ملتا ہے؟ نیز تاریخ میں پہلی نمازِ جنازہ کب اور کن کی پڑھی گئی؟ اس کی امامت کس نے کی؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کسی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی؟

جواب: واضح رہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی بادشاہ پر (جن کی وفات مدینے سے دور حبشہ میں ہوئی تھی) غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی، اس طرح کی ایک آدھ روایت اور بھی ہے، ان کی روشنی میں بعض حضرات نے غائبانہ جنازہ کی نماز کو جائز کہا؛ لیکن چوں کہ بعض دیگر روایات سے پتا چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے معجزے کے طور پر نجاشی کے جنازہ کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سامنے رکھوا دیا تھا یا بیچ کے تمام حجابات ہٹا دیے تھے، جیسا کہ معراج سے واپسی پر (جب کفار نے حضور ﷺ سے بیت المقدس کے ستونوں وغیرہ کے بارے میں سوال کیا تھا) بیت المقدس تک تمام حجابات حضور ﷺ کے سامنے سے ہٹا دیے گئے تھے۔

نمازِ جنازہ کی ابتدا کے سلسلے میں دو تاریخی روایتیں ملتی ہیں: ایک روایت کے مطابق اس (نمازِ جنازہ) کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے ہی سے ہو گئی تھی، چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر فرشتوں نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی، لیکن دوسری روایت کے مطابق نمازِ جنازہ امت محمدیہ (ﷺ) کی خصوصیات میں سے ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سے اس کی ابتدا ہوئی، مگر حتمی طور پر یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ اسلام میں سب سے پہلے کس پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی، البتہ بعض سیرت نگاروں نے سن ایک ہجری کے نمایاں واقعات میں یہ ذکر کیا ہے کہ اسال حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ پر حضور ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔

جدید سائنسی علوم دفاعِ اسلام کی نیت سے سیکھنا بھی باعثِ ثواب اور جہاد کا حصہ ہیں

سوال: مفتی صاحب! جیسا کہ قرآنِ مجید میں سورہ انفال آیت 60 کا مفہوم ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اسباب کے درجہ میں اسلام کے دفاع کے لیے اپنے آپ کو زمانے کے مروّجہ علوم وفنون سے اپنے آپ کو آراستہ کریں، لہٰذا میرا سوال یہ ہے کہ میں اگر جہاد کے تمام مسائل کے بارے میں علم حاصل کروں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مختلف ہتھیاروں اور ساز وسامان کی مینو فیکچرنگ، اس کے ڈیزائن اور بنانے کے بارے میں علم حاصل کروں، اس نیت سے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور میں اس کو جہاد میں استعمال کروں گا، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تو مجھے اس نیت سے علم حاصل کرنے پر وہی اجر وفضیلت ملے گی جو علمِ دین حاصل کرنے پر ملتی ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں بے شک آپ کو اس نیت پر ثواب ملے گا، اس لیے کہ قرآن مجید کی اس آیت کا عموم واطلاق دفاع سے متعلق تمام امور وعلوم کی تحصیل کو شامل ہے، جیسا کہ محقّقین ومفسّرین نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے، نیز احادیثِ مبارکہ وسیرتِ طیّبہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ نبی کریم ﷺ نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی منجنیق بنانے اور چلانے کا عمل سیکھنے کے لیے تشکیل فرمائی تھی، نیز احادیث میں جہادِ شرعی کے لیے اسلحہ چلانے والے کے ساتھ ساتھ اس نیت سے اسلحہ بنانے والے کی بھی تعریف کی گئی ہے، چناں چہ ایسے لوگوں کے لیے جنت کی بشارت بیان کی گئی ہے، البتہ علمِ دین کے فضائل چوں کہ علمِ دین کے سیکھنے سکھانے کے ساتھ ہی خاص ہیں، لہٰذا جہاد کے احکام کا علم حاصل کرنے پر تو علمِ دین سیکھنے کا اجر وفضیلت ملے گی، لیکن دفاعی امور وفنون کے سیکھنے پر اس کا وعدہ نہیں۔

حکومت کی طرف سے زلزلہ زدگان کو گھر کی تعمیر کے لیے ملنے والی رقم میں میراث کا حکم

سوال: عبد الغنی کے چار بیٹے ہیں اور سب والد کے ساتھ ایک ساتھ رہتے تھے، جب 2005 میں زلزلہ آیا تو اس میں مکان گر گیا اور پھر حکومت نے ہر شادی شدہ مرد کو معاوضہ دیا تو عبد الغنی کو معاوضے کی پہلی قسط 25000 ہزار روپے ملی اور باقی قسطیں نہیں ملیں، اسی دوران عبد الغنی کا انتقال ہو گیا اور اس وقت صرف عبد الوحید شادی شدہ تھا تو صرف اسی کو معاوضہ ملا تو اس نے اپنے معاوضے کے پیسوں ہی سے نیا مکان تعمیر کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ عبد الوحید نے جو اپنے معاوضے کے پیسوں سے مکان بنایا ہے، یہ صرف اسی کی ملکیت ہوگا یا باقی بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا؟

جواب: پوچھی گئی صورت میں حکومت کی طرف سے مکان کی تعمیر کے لیے ملنے والی جو رقم عبد الغنی کو ملی، وہ تو ان کے ورثاء میں میراث کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی، البتہ جو رقم عبد الغنی کے بیٹے عبد الوحید کو ملی ہے، اس میں دیگر ورثاء کا کوئی حق نہیں ہے۔

نصف منافع پر جانور چرانے کے معاہدے کا حکم

سوال: مثلاً ایک شخص 50000 کی گائے یا بھینس خرید کر دوسرے آدمی کو دے دیتا ہے اور دوسرا آدمی اس کو پالتا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد وہ گائے یا بھینس 100000 کی فروخت ہوتی ہے اور نفع دونوں کے درمیان نصف تقسیم ہو جاتا ہے، جبکہ اصل قیمت (یعنی 50000، جتنے کی گائے یا بھینس خریدی گئی تھی) وہ پہلے شخص کی ہی رہتی ہے اور اسی طرح اگر گائے یا بھینس بچہ دیتی ہے تو وہ بھی دونوں کے درمیان نصف مشترک ہوتا ہے۔ کیا اس طرح جائز ہے؟

جواب: یہ معاملہ قفیز طحان کی علّت کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ اگر مالک اس جانور کا نصف حصہ معمولی یا علامتی قیمت پر اس شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت معاف کر دے یا نصف حصہ ہبہ کر دے اور اس کے بعد اس کے ساتھ نصف حصہ منافع پر یا بچے میں اشتراک پر معاملہ کریں تو یہ درست ہوگا۔ (فتاویٰ عثمانی، ج:3، ص:382)

سونے کی نقدی کے بدلے ادھار خرید وفروخت

سوال: ہمارے یہاں بینک نے سونے بیچنے کی ایک اسکیم نکالی ہے، وہ اس طرح کہ مثلاً آپ نے

بقیہ صفحہ نمبر 16 پر

اس کرّۂ ارض پر ہر دور میں انسان نے معاشرت پسندی کے حوالے سے اجتماعی زندگی بسر کی۔ اس ضمن میں جس معاشرتی ادارے کو بنیادی اہمیت حاصل رہی 'وہ خاندان' ہے۔ انسان انس سے ہے، گویا انسان اور سماج لازم وملزوم ہیں اور سماج کا بنیادی ادارہ خاندان ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خاندانی تعلّقات درست رہیں اور خاندان قائم رہے تو پورا انسانی سماج درست رہے گا، انسانوں میں انسانیت باقی رہ سکے گی، بہ صورتِ دیگر سماج انسانی قالب میں درندوں کا مسکن بن کر رہ جائے گا۔ بدن انسانوں کے ہوں گے اور دل ودماغ درندوں کے۔

خلاقِ اعلم نے اس جہان رنگ وبو میں اشرف المخلوقات کو بے سہارا نہیں چھوڑا، بلکہ اس کی رہنمائی کے لیے آسمانی تعلیمات اور ان کے معلّمین انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ عبادات ومعاملات وغیرہ احکام میں تفصیلاتِ شریعت جو کچھ بھی ہوں، لیکن بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ شرائع الٰہیہ کا بنیادی اور اصل مقصد انسانوں میں جوہرِ انسانیت کو باقی رکھنا ہے۔

قرآنِ کریم ان آسمانی تعلیمات کے سلسلے کی آخری کتاب ہے اور رسول اللہ ﷺ آخری نبی و رسول ہیں، جن کے بعد کسی صورت کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اور ان کے بعد کسی قسم کی نئی نبوت کا ہر دعویٰ جھوٹ اور اس کا مدّعی جھوٹا ہے، اسی عقیدے کا نام عقیدۂ ختمِ نبوّت ہے۔

ختمِ نبوّت کا یہ عقیدہ دراصل انسانیت کی تکمیل اور بلوغِ کامل کا اظہار یہ ہے کہ اس اکمال وبلوغ کے بعد جوہرِ انسانیت کو کسی نئی غذا کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

چناں چہ انسانیت کے نام خلائقِ کائنات کے اس آخری پیغام میں بھی جوہرِ انسانیت کی اوّل ترین نمود گاہ اور سماج کے بنیادی ادارے "خاندان" کے تحفّظ کا امتیازی اہتمام کیا گیا ہے اور قرآن و سنت نے خاندانی تعلّقات کی تہذیب واصلاح کے لیے رہنما اصول تعلیم کیے ہیں۔

خاندانی تعلّقات کی بہتری کے لیے شریعت کے رہنما اصول

ایک دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا

انسانوں کا باہمی تعلق اسی وقت تک درست رہتا ہے، جب تک دلوں میں میل نہ آئے۔ دل صاف ہوں تو ایک دوسرے کی بڑی بڑی غلطیاں بھی ہنسی خوشی برداشت کرلی جاتی ہیں اور دلوں میں کدورت راہ پا جائے تو بے بنیاد خدشات بھی زہریلے ناگ بن کر رشتوں کے تقدّس کو ڈسنے لگتے ہیں۔

دلوں میں کدورتیں تبھی جنم لیتی ہیں، جب جانے انجانے میں ایک دوسرے کی عزّتِ نفس مجروح ہونے لگتی ہے۔ معمولی سی کوئی خراش زندگی کی خوب صورتی کو نگل جانے والے ناسور میں کب بدل گئی، معلوم ہی نہیں ہونے پاتا۔ لہٰذا خاندانی تعلقات میں باہمی عزّتِ نفس کو محفوظ رکھنے کے لیے شریعتِ اسلامی نے راہنما اصول متعین کیے ہیں۔

1 کسی کو حقیر نہ سمجھنا:

زبانوں سے اُگلا جانے والا زہر عموماً دلوں میں پائی جانے والی حقارت سے پرورش پاتا ہے۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىکُمْ (الحجرات: 13)

ترجمہ: "بے شک تم میں سے سب سے معزّز وہ ہے، جو سب سے زیادہ متقی ہو۔"

یعنی جو اللہ کی نظر میں سب سے بڑھ کر محبوب ہو۔

لیجیے! جذبۂ حقارت کی بنیاد ہی ختم کردی گئی۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کسی سے برتر نہیں اور کوئی ہم سے کم تر نہیں، اگر ہمیں بظاہر اپنی برتری یا دوسرے کی کم تری کی کچھ وجوہات نظر آتی بھی ہیں تو وہ اس فیصلے کی بنیاد نہیں بن سکتیں، کیوں کہ یہ فیصلہ اس ستّار العیوب اور غفّار الذّنوب رب نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور نجانے اس کے ہاں کس کا کیا مرتبہ ہو کہ اس کی بارگاہِ عالی میں تو اپنی عاجزی ومسکنت کا احساس واظہار اور ٹوٹا ہوا دل ہر شے سے بڑھ کر قیمتی اور قابلِ قدر ہے۔۔۔ خوب صورتی، علم، دولت، سمجھ داری، اخلاق، عبادت گزاری وغیرہ ہر شے سے بڑھ کر۔ پس آیئے! ہم عہد کریں کہ کسی کو خود سے کم تر نہیں سمجھیں گے۔

2 کسی کا مذاق نہ اُڑانا:

تفریحِ طبع ایک لطیف عمل ہے، جو انسانی اعمال کی تنظیم وترتیب اور فرحت ونشاط پیدا کرنے کے لیے لازم کا درجہ رکھتا ہے، لیکن کئی دفعہ انسان "مذاق کرنے" کے بجائے "مذاق کرنے" کا مرتکب ہو بیٹھتا ہے۔

"مذاق کرنے" کا معنی کوئی ایسی ہلکی پھلکی سی بات کہہ دینے یا اسی نوعیت کی کوئی بے ضرر شرارت کرنے کے ہیں کہ جسے سُن کر دل کھل اُٹھیں اور مرجھائے ہوئے چہرے مسکرا اُٹھیں، جب کہ "مذاق اڑانا" کسی کی عزّتِ نفس کو مجروح کرنے والی کوئی بات کہہ دینے یا ایسا کوئی عمل کرنے سے عبارت ہے۔

اللہ رب العزّت نے اس کائنات کو جن اصولوں پر چلایا ہے، اعتدال ان میں سے ایک مرکزی اصول ہے۔ اس لیے ہنسی مزاح کا جہاں وجود ضروری ہے، وہیں اس کا پابندِ حدود رکھا جانا بھی ضروری ہے۔

چناں چہ ارشادِ ربانی ہے: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (الحجرات: 11)

ترجمہ: "تم میں سے کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کا مذاق نہ اُڑائے اور (نہ ہی) خواتین دوسری خواتین کا مذاق اُڑائیں۔ ممکن ہے کہ جن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے وہ اللہ کے ہاں مذاق اُڑانے والوں سے بہتر ہوں۔"

گھریلو ماحول میں جہاں چند خواتین مل کر رہتی ہیں، اس بات کا اہتمام خاص طور پر ہو کہ ایک دوسرے کے لیے دل کو کشادہ رکھا جائے، کسی میں کوئی کمی یا کوتاہی دیکھ بھی لیں تو مذاق نہ اڑائیں، بلکہ الگ سے اصلاح کی نیت سے اسے غلطی کی نشان دہی کردی جائے۔ عموماً یہ رویہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ خواتین موقع کی تلاش میں رہتی ہیں، آسانی سے ایسے الفاظ کہہ

پہلا حصہ

خاندانی تعلقات کی اہمیت

ام نسیبہ

دیے جاتے ہیں کہ دوسرے کی دل آزاری ہوجاتی ہے اور اس بات پر فخر بھی کیا جاتا ہے کہ ہم نے دوسری کو پچھاڑ کر رکھ دیا۔ اللہ پاک ہمارے گھریلو ماحول کو پُرامن بنائے رکھے۔ آمین!

3 عیب جوئی نہ کرنا:

دوسروں کے عیب تلاش کرتے رہنا دو دھاری تلوار ہے، جو ایک طرف مقابل کی عزّتِ نفس کو کاٹ ڈالتی ہے اور دوسری طرف خود عیب جوئی کرنے والے کی اپنی شخصیت کا حُسن بھی بری طرح زخمی کر ڈالتی ہے۔

بہت پرانی لیکن اتنی ہی اچھی تمثیل ہے کہ دنیا ایک گاؤں کی طرح ہے، جس کے راستے سب کے سانجھے ہیں، اگر ہر شخص اپنے حصے کے کانٹے چُن لے تو سب کے لیے راستے صاف ہو جائیں گے۔

لیکن عیب جوئی ایسی بُری مصروفیت ہے جو ہمیں اپنی کوتاہیوں سے بے خبر رکھ کر دوسروں کی شخصیت ٹٹولنے میں مگن رکھتی ہے۔ ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم دوسروں کی راہ میں کانٹے بچھا رہے ہیں، اس بات سے بے خبر کہ ایک دن خود ہمارے پاؤں بھی انہی کانٹوں سے چھلنی ہو کر رہ جائیں گے۔

دوسروں کی عیب جوئی سے پرہیز انسان کی اپنی شخصیت سازی کے لیے بھی انتہائی اہم ہے، بھلا بلند منزلوں کے مسافر راستے کے پتھروں سے کب الجھتے ہیں اور زخموں کی تلاش میں بھٹکتے پھرنے والی مکھی شہد کیسے پیدا کر سکتی ہے؟

چناں چہ دنیا کو رہنے کے لیے اچھی جگہ بنانے اور انسان کی شخصیت کو سنوارنے کے لیے قرآنِ کریم یہ ہدایت دیتا ہے کہ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ(الحجرات:11)

ترجمہ: ”ایک دوسرے کی عیب جوئی مت کیا کرو۔“

لہٰذا احکامِ خدا کو بجالاتے ہوئے ہم خواتین کو چاہیے گھریلو و معاشرتی ماحول میں اس بات کو اپنائیں کہ اپنے ساتھ رہنے والی دوسری خواتین کی عیب جوئی سے بچیں، دل کو کشادہ رکھیں۔ معاف و درگزر کا معاملہ اپنائیں، پھر دیکھیے ربِّ کریم کیسے آپ کو بلند کرتے ہیں۔ ان شاءاللہ!

4 بُرے لقب سے مت پکارنا:

کسی کو بُرے القاب سے یاد کرنا، کسی کا کوئی بُرا لقب رکھ دینا اور اس لقب سے اس کو پکارنا، یہ بھی ایک ایسی بیماری ہے جو انسان کی عزّتِ نفس کو مجروح کر کے باہمی تعلقات کو ختم کر دینے والی ہے اور باہمی تعلّقات کو بگاڑ دینے والی ہے۔ اس وجہ سے قرآنِ کریم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ(الحجرات:11)

ترجمہ: ”ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے مت پکارو۔“

عام طور پر کسی جسمانی عیب میں مبتلا لوگوں کو اس بات کا بہت زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم ایسا نام رکھ دیتے ہیں اس شخص کا کہ اس نام سے جب اسے پکارا جاتا ہے یا یاد کیا جاتا ہے تو اس کی عزّتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور بالآخر ایک دن یہ بے فائدہ قسم کا مذاق یا مضحکہ اڑانا، اس شخص کے دل میں نفرت کی گرہ ڈال دیتا ہے، جیسے کہ ان اقساط کے شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ انسانی معاشرے میں لوگوں کے باہمی تعلّقات کی درستی اور تعلّقات کو بگاڑ سے بچانے کے لیے ایک بڑا اصول یہ ہے کہ ہر انسان کی عزّتِ نفس محفوظ رہے اور ہر وہ چیز جس سے انسان کی عزّتِ نفس پامال ہو، اس کو شریعت نے منع کیا ہے۔ عام طور ہمارے ہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کے نام ادھورے پکارے جاتے ہیں تو پورا اور مکمل نام پکارا جانا بھی باہمی محبت کے لیے بہت مفید ہے۔ ناموں کا ادھورا پکارا جانا نامناسب بات ہے اور خاص طور پر کسی کا لنگڑا، کانا، ٹھگنا، کالا جیسا نام رکھ کر پکارنا تو بڑا گناہ ہے، جس سے قرآنِ کریم نے منع فرمایا ہے، تاکہ ہر ایک کی عزّتِ نفس محفوظ رہے اور انسانی معاشرے میں باہمی تعلّقات بگاڑ کا شکار نہ ہونے پائیں۔ (جاری ہے)

بقیہ

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

بینک کو 5000 روپے دیے سونا خریدنے کے لیے، لیکن بینک آپ کو فی الوقت سونا نہیں دے گا، بلکہ وہ آپ کے لیے سونا خریدے گا بھی نہیں، بلکہ ایک حساب لگائے گا کہ 5000 روپے میں اس وقت کے حساب سے کتنا سونا ہونا چاہیے، مثلاً: آج کی قیمت کے حساب سے 5000 روپے میں ایک گرام ہوئے تو وہ میرے کھاتے میں اگرام سونا لکھ دے گا، پھر 8 سال بعد ایک گرام سونے کی جو قیمت ہو گی، وہ مجھے دے دے گا، سوال یہ ہے کہ کیا ایسا معاملہ جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیوں؟ اور ناجائز ہے تو کن کن وجوہات کی بنا پر؟

جواب: واضح رہے کہ سونے کی کرنسی کے بدلے خرید و فروخت ”بیع صرف“ کہلاتی ہے، جس کے شرعاً جائز ہونے کے لیے عوضین (فروخت کردہ چیز اور اس کی قیمت، دونوں) پر مجلسِ عقد میں قبضہ ضروری ہوتا ہے، کسی ایک جانب سے ادھار جائز نہیں ہوتا، نیز اگر کسی چیز کی خرید و فروخت حقیقتاً مقصود نہ ہو، بلکہ کسی چیز کی موجودہ قیمت فرض کر کے اس کے عوض رقم وصول کی جائے اور کچھ عرصے بعد اس چیز کی اُس وقت موجودہ قیمت کو دیکھ کر رقم واپس کر دی جائے، جس سے مقصود دونوں زمانوں میں اس چیز کی قیمت کے تفاوت کی بنیاد پر نفع یا نقصان ہو، یہ معاملہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اگر مقصود بیع ہے تو حقیقتاً بیع کرنی ہو گی اور جانبین سے قبضہ مجلسِ عقد میں ضروری ہو گا اور اگر بیع مقصود نہیں تو یہ قرض ہے اور قرض جس چیز سے دیا جائے وہی چیز اتنی ہی مقدار میں واپس کرنا لازم ہو گا، لہٰذا مذکورہ طریقہ سے سونے کی خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

کمپنی کی ملٹی لیول مارکیٹنگ کا حکم (B4U)

سوال: بی فار یو کمپنی لوگوں سے انویسٹمنٹ لیتی ہے۔ اس کا ٹیم بلڈنگ کا سسٹم بھی ہے ڈائریکٹ سیلنگ یا ملٹی لیول مارکیٹنگ کا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ملٹی لیول مارکیٹنگ کے رائج طریقہ کار کا اصولی حکم یہ ہے کہ اگر کمپنی کا بنیادی معاملہ اور کاروبار درست ہو تو اس میں صرف پہلے لیول (یعنی ڈائریکٹ ممبر بنانے) کی کمیشن جائز ہے، اس کے بعد کے لیول کی کمیشن جائز نہیں اور اگر کمپنی کا بنیادی معاملہ یا کاروبار درست نہ ہو تو کسی کو اس میں شامل کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی اجرت لینا بھی شرعاً درست نہیں ہے۔ اس اصول کی روشنی میں بی فار یو کا حکم یہ ہے کہ چوں کہ کمپنی کا انویسٹمنٹ لینا ناجائز اور اس کا کاروبار اور اس سے آنے والی آمدن مشتبہ ہے، لہٰذا اس میں کسی کو شامل کروانا اور اس کی اُجرت وصول کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

تقدیر

عمارہ فہیم

ہم سب سہیلیاں بہت خوش تھیں، کیوں کہ ایک ننّھا مہمان آنے والا تھا۔ روزانہ بہت ساری منصوبہ بندی کی جارہی تھی کہ ہم یہ کریں گے، وہ کریں گے، وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ہمارا یہ حال تھا تو والدین اور گھر والوں کی کیفیت کیا ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے، وہ تو ہو کر رہتا ہے، کیوں کہ نہ تقدیر سے پہلے کچھ ہے نہ تقدیر کے بعد کچھ!!! جو ہے وہ وقتِ مقرر پر ہی ہے۔

اس سہیلی اور اس کے ننّھے مہمان کے لیے تقدیر لکھ دی گئی تھی، بس اس کے مقرر وقت کے آنے کا انتظار تھا اور وہ وقت آیا بھی اور آکر چلا بھی گیا اور اپنے ساتھ ننّھے مہمان کو جنت کا مکین بنا گیا۔

جب سے یہ خبر سنی تھی، دل کی کیفیت عجیب تھی۔ اس سہیلی کو تسلی دینے کے لیے کیا آپس میں ایک دوسرے سے بات کرنے کے لیے بھی لفظوں کو جمع کرنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت ایک معلّمہ کی بات یاد آئی، انھوں نے ایک بار اپنے والد سے سنا ایک واقعہ سنایا تھا۔

ایک دن گاؤں میں کسان اپنے معمول کے مطابق کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔

(کسان کے لیے اس کی فصل اولاد کی طرح ہوتی ہے، وہ دن رات اس کی حفاظت کی فکر کرتے رہتے ہیں، موسم کی تبدیلی کسان کے دل پر کبھی تو بہار بن کر اترتی اور کبھی پہاڑ جیسے بوجھ کی طرح۔)

موسم بہت خراب ہوگیا، بجلی چمک رہی تھی، بارش برس رہی تھی، اس موسم میں کھیتوں سے اپنے گھروں تک جانا بہت مشکل تھا، کھیتوں کے پاس ہی اک لکڑہارے کا کچا مکان تھا، سب نے طے کیا کہ آج لکڑہارے کے گھر میں پناہ لے لی جائے۔ سب سنبھل کر لکڑہارے کے مکان تک آئے۔

دروازہ بجایا اجازت لے کر اندر آگئے اور دروازہ بند کرلیا، یہ پانچ افراد تھے لکڑہارے کو ملا کر چھ! موسم آہستہ آہستہ مزید خراب ہونے لگا اور بجلی کی کڑک بڑھنے لگی، گھر میں بیٹھے تمام افراد پر ایک خوف طاری ہونے لگا۔ بجلی دروازے تک آتی اور لوٹ جاتی۔ ایک بار دو بار بار بار یہ ہو رہا تھا، چھ افراد میں سے ہر ایک دوسرے کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک نے بہت ہمت کر کے کہا: "لگتا ہے اس بجلی سے کسی کی اجل لکھی ہے، اس لیے ایک ایک کر کے باہر جاؤ۔"

اب ہر کسی کی جان حلق میں اٹک گئی، کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر تو دور کی بات کمرے میں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ بیٹھ جائے۔

مسلسل بحث چلتی رہی اور بالآخر زبردستی ایک ایک کو گھر کے باہر نکالا گیا۔ چھ میں سے چار باہر ہو کر واپس اندر آچکے تھے، اب پیچھے دو بچے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر عجیب الجھن کا شکار ہو رہے تھے اور باقی چار خوش کہ ہم بچ گئے، پھر باقی دو بھی ایک ایک کر کے باہر گئے اور آگئے، مگر کچھ نہ ہوا۔ سب نے سوچا یہ شاید ہمارا وہم تھا، مگر پھر بجلی دروازے تک آتی اور لوٹ جاتی اور زور سے کڑکتی۔ ایک بار پھر ہر ایک کا دل مٹھی میں آنے لگا اور پھر سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، انھیں میں ایک بوڑھا کسان تھا، اسے حاجت ہوئی تو ساتھیوں سے کہا۔

"کوئی میرے ساتھ کھیتوں تک چل لے، باہر پھسلن بہت ہے، خود کو سنبھال نہیں سکوں گا۔"

مگر کوئی بھی ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہوا، اس لیے نہیں کہ بابا پر ترس نہیں آرہا تھا، بلکہ اس لیے کہ کہیں بوڑھے کسان کی موت آئی ہو اور اس کے ساتھ والا بھی لپیٹ میں آجائے، مگر ان بے وقوفوں کو کون عقل دیتا اور بتاتا کہ کسی کی وجہ سے کسی پر اجل نہیں آتی بلکہ تقدیر غالب آتی ہے۔

بوڑھا کسان مایوس ہو کر اکیلے جانے کے لیے دروازے تک آیا کہ پیچھے سے کسی کی آواز آئی۔

"رک جاؤ چاچا! میں چلتا ہوں ساتھ۔"

پناہ لینے والے پانچ کسانوں میں ایک کم عمر لڑکا تھا، اس نے جب بوڑھے کسان کو مایوس دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا اور تقدیر غالب آئی، دونوں لکڑہارے کے گھر سے نکل کر کچھ فاصلے پر آئے تھے کہ بجلی کڑکی اور زور سے کڑکی اور دیکھتے ہی دیکھتے لکڑہارے کا گھر اس بجلی کی لپیٹ میں آگیا۔ اندر موجود چار افراد لقمہ اجل بن گئے۔

یہ تھی تقدیر جن کی زندگی تھی، انھیں باہر لانا تھا اور جن کا وقت پورا ہو گیا تھا، رزق سمٹ گیا تھا، ان کو اندر رہنا تھا۔

ننّھا مہمان اللہ کی امانت تھا اور امانت واپس جاچکی تھی اور کسان کا واقعہ ذہن میں گردش کرتے ہوئے واپس ماضی کی کتاب میں جا بیٹھا تھا، لیکن یہ سب ہمیں کچھ سبق دے گیا تھا۔

زندگی مختصر ہے کب سانس کی ڈور کٹ جائے اور آنکھ بند ہو جائے، کوئی خبر نہیں، اس لیے

1. اپنے ہر لمحے کو بہتر سے بہترین بنانا ہے۔
2. رب تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔
3. اپنی خوشیوں کو ہر کسی کے سامنے بیان کرنے سے بھی احتیاط کرنی ہے، کیوں کہ نظر برحق ہے، قریبی رشتوں کی بھی نہ چاہتے ہوئے لگ جاتی ہے۔
4. مایوس نہیں ہونا کیوں کہ مایوسی کفر ہے۔
5. سب سے آخری اور سب سے اہم اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہے، تقدیر پر پختہ یقین رکھنا ہے۔

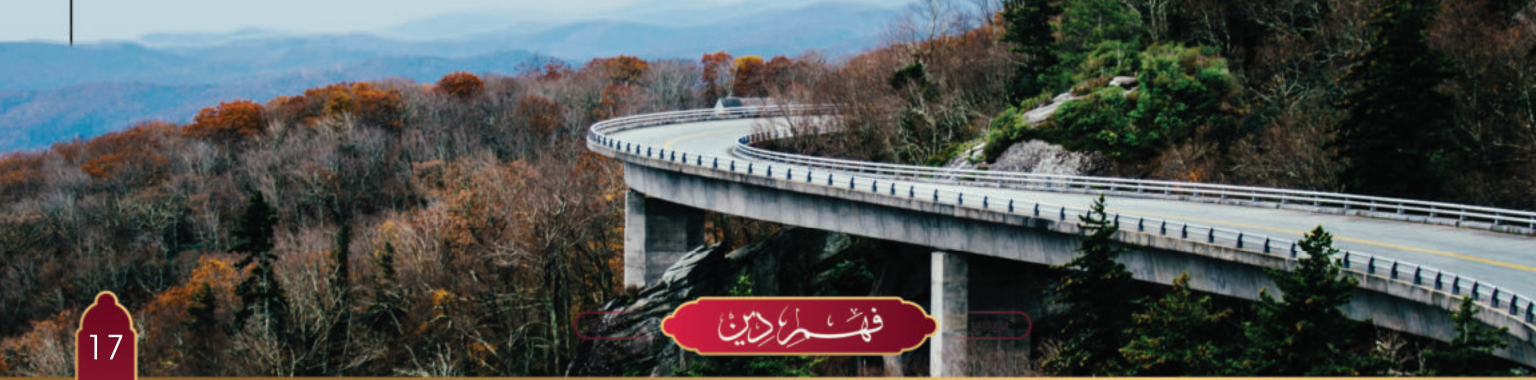

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
TECH PARK

Free of Cost

PSDC
Professional Software Development Certification

JS | TS | React | node JS

baitussalam.org/tech-park

bwt.ngo/register-techpark

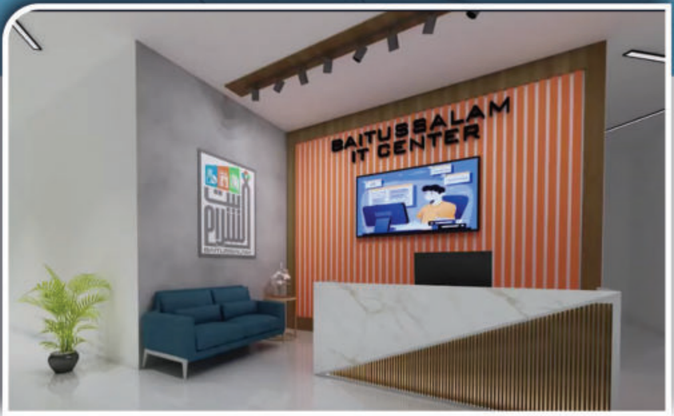

Follow us
BaitussalamWelfareTrust

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org

دل جوئی کے چند لمحات

حکیم شمیم احمد

دادا جان نے ٹرے اپنے آگے سے کھسکائی۔

"مجھے نہیں کھانا یہ بدمزہ کھانا، اپنے ابا کو بتادو کہ مجھے ہسپتال بھی نہیں جانا۔ حد ہو گئی، بھلا ہر ہفتے ہسپتالوں میں حاضری دو۔ شوگر ہی تو ہے ایسی کوئی پیچیدہ بیماری تو نہیں۔" دادی جان کا جب سے انتقال ہوا دادا جان افسردہ سے رہنے لگے تھے۔ ہمدان نے ٹرے اٹھائی اور ایک دفعہ پھر کوشش کی "اگر آپ تھوڑا سا سوپ لے لیتے تو بہت اچھا تھا۔" ہمدان نے دھیرے سے کہا۔ "کہہ دیا نا نہیں نہیں، بس نہیں۔"

دادا جان بھوک سے سخت چڑچڑے ہو رہے تھے۔ دراصل انھوں نے میری امی سے گاجر کے حلوے کی فرمائش کی تھی، مگر ابو کا حکم تھا کہ شکر سے بنی کوئی میٹھی چیز دادا جان کو نہیں دینی۔

شام کے سائے گہرے ہوئے تو ابو کی گاڑی گیراج میں آکر ٹھہری، ابو کی عادت تھی کے گھر میں داخل ہوتے ہی پہلے دادا جان کے پاس دل جوئی کے لیے چند لمحے آکر بیٹھتے، پھر سب سے ملاقات کرتے۔ دادا جان سخت غصے کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ "کیا ہوا ابا جان؟" ابو نے ان کی بے چینی کی وجہ پوچھی۔

"بس پاگل ہو گیا ہوں۔" دادا جان نے کہا اور بستر پر آکر لیٹ گئے۔

"ابا جان! ناراض نہ ہوں، مہربانی فرما کر جلدی ڈاکٹر منیر کے پاس چلنے کی تیاری کریں۔ دیر ہو گئی تو آپ سے انتظار میں بیٹھا نہیں جائے گا۔"

غرض ابو کے بے حد اصرار پر دادا جان راضی ہو گئے اور کچھ ہی دیر بعد وہ ہسپتال میں تھے۔ ڈاکٹر منیر نے دادا جان کا معائنہ کیا اور بے حد مطمئن انداز میں بولے: "عدیل صاحب! آپ کے ابا کی تمام رپورٹیں صحیح ہیں، فکر کی کوئی بات نہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

یکایک دادا جان نے مداخلت کی اور ابو کی طرف دیکھا۔ ابو کمرے سے باہر نکل گئے، پھر نہ جانے ڈاکٹر صاحب اور دادا جان کے درمیان کیا سرگوشیاں ہوئیں، پھر کچھ ہی دیر بعد ابو دادا جان کو لے کر واپس گھر آ گئے۔ ابو کے دل میں گہری تشویش تھی، مگر انھوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ابا جان کو کریدا جائے۔ گھر پہنچ کر دادا جان نے نماز ادا کی کھانا کھایا اور کچھ دیر ٹہل کر سو گئے۔ اگلا دن سب کے لیے بڑا حیران کن تھا، کیوں کہ دادا جان مسلسل سوئے جا رہے تھے۔ اوّل تو ان کے کمرے میں کوئی جاتا نہیں تھا، کیوں کہ اس مصروف زندگی میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ کوئی ان کی دل جوئی کرتا اور اپنی مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر ان کے پاس بیٹھتا۔ امی کھانا بنا کر اپنی ذمے داری پوری کر دیتیں۔ ہمدان اسکول سے آتا تو ان کے کمرے میں کھانے کی ٹرے رکھ دیتا۔ عائشہ ہفتوں ان کے کمرے میں قدم نہ رکھتی، کیوں کہ پڑھائی، پڑھائی اور صرف پڑھائی ہی اس کی زندگی کا مقصد تھا۔

ایشال کو دادا جان کی نصیحتوں سے سخت چڑ تھی، کیوں کہ کان میں لگا ہیڈ فون دادا جان کو ذرا نہ بھاتا۔ وہ اس کو اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کی تلقین کرتے تو وہ چڑ کر ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔ دادا جان جب بور ہوتے تو ڈرائینگ روم میں خود ہی آکر بیٹھ جاتے۔

❖❖❖

ناشتے کی ٹرے بھی خالی نہ ہو پائی تھی اور اب دوپہر کا کھانا بھی ایسے ہی رکھا تھا۔ دادا جان سوئے جا رہے تھے۔ بے حد اصرار پر صبح انھوں نے ایک کپ چائے پی تھی۔

"دادا جان کھانا کھا لیں۔" ہمدان نے اپنے ہاتھ سے دادا جان کو ہلایا، مگر دادا جان نے آنکھیں نہ کھولیں۔ اس نے دوڑ کر امی جان کو بتایا کے دادا جان تو آنکھیں ہی نہیں کھول رہے۔ ابھی امی بھی بھاگتی ہوئی آئیں، مگر یوں لگتا تھا وہ گہری نیند میں ہیں۔

"ہمدان ایسا کرو اپنے ابو کو آفس فون کرو، میں ذرا چولہا بند کر کے آتی ہوں۔"

امی کچن کی طرف گئیں اور الٹے قدم لوٹ آئیں۔ عائشہ اور ایشال بھی اسکول سے لوٹ آئی تھیں۔ وہ سب دادا جان کے کمرے میں تھے، مگر مجال ہے جو دادا جان نے آنکھیں کھولی ہوں۔ ان کا سانس بھی معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ بخار بھی نہیں تھا، پھر ان کی ایسی کیفیت کیوں تھی؟ کچھ ہی دیر بعد ابو ہانپتے کانپتے ڈاکٹر منیر کو گھر پر لے آئے تھے، تقریباً سب ہی پریشان تھے۔ عائشہ اور ایشال ان کے پیر دبا رہی تھیں۔ ہمدان سر پر ہاتھ رکھے دھیرے دھیرے سر سہلا رہا تھا، امی جان قرآن کی آیتیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ ڈاکٹر منیر نے ان کا معائنہ کیا: "ان کو ہوا کیا ہے؟ یہ اس قدر گہری نیند میں کیوں ہیں؟" امی نے ڈاکٹر منیر سے سوال کیا؟

"دراصل ان کی بیماری کا نام دلجوئی کے چند لمحات!" ڈاکٹر منیر بولے۔

"بھلا یہ کون سی بیماری ہے۔" عائشہ نے تشویش سے پوچھا۔

"جی ہاں! اس عمر میں یہ بیماری عام ہے۔"

"تو پھر اس کا علاج کیا ہے۔" ابو نے بے چینی سے پوچھا۔

"علاج بس یہی ہے کہ گھر کا ہر فرد چند لمحات ان کی دل جوئی کے لیے نکالے اور ان کا دل بہلائے۔ یہ بیماری شوگر کی دوائیں پھانکنے اور ڈرپ چڑھانے سے نہیں جائے گی۔ میرا مشورہ ہے کہ گھر کے سب افراد چند لمحات ان کے لیے نکال کر اپنی اپنی باریاں لگا لیں تو یہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے، ذہنی سکون ملے گا تو ان کو ہر کھانا پسند آئے گا اور چڑچڑاہٹ بھی دور ہو جائے گی۔ پچھلی دفعہ جب معاینہ کے لیے آئے تھے تو مجھے تنہائی میں سرگوشی کرتے ہوئے بتایا تھا کہ مجھے میری مرحومہ بیوی بہت یاد آتی ہے اور یہ اشعار بھی گن گنا

زوالِ نعمت

ام محمد سلمان

اللہ کریم نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ پھر قرآن مجید میں ان کا تذکرہ بھی کیا کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ: "یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"

قرآن کی یہ آیت اکثر سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے، کیا ہم واقعی اللہ کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے! بلکہ شمار کرنا تو دور کی بات ہم تو شاید اس کی نعمتوں کا ادراک بھی نہیں رکھتے کہ اس بابرکت ذات نے ہمیں کس کس طرح نوازا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ جب ایک ایک کر کے نعمتوں کا زوال شروع ہوتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ ربّ کریم نے کتنی عافیت کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔

لیکن یہ انسان واقعی بہت بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ عافیت کے دنوں کو بھول جاتا ہے اور ذرا سی بھی جسمانی یا ذہنی تکلیف پہنچتی ہے تو چیخ اٹھتا ہے۔۔۔ ہائے یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا!!

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ،
وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ

اے اللہ! میں تیری نعمت کے زائل ہونے سے، تیری دی ہوئی عافیت کے پھر جانے سے، تیری ناگہانی گرفت سے اور تیری ہر قسم کی ناراضی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

ذرا دعا کے الفاظ پر غور کیجیے، کتنے جامع اور گہرے الفاظ ہیں! یہ ایک عظیم دعا ہے، جس میں نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ

"اے اللہ! میں تیری نعمت کے زائل ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

یعنی آپ نے جو مجھے اس قدر نعمتوں سے نوازا ہے کہ صحت و تندرستی ہے، مال ہے، اہل و عیال ہیں، معاشرے میں ایک مقام ہے، گھر کنبہ ہے، چلتا پھرتا ہوں، دیکھتا بھالتا ہوں، سنتا بولتا ہوں، سوچتا سمجھتا ہوں، سانس آسانی سے لیتا ہوں، جسمانی نظام ٹھیک کام کرتا ہے! تقریباً ہر نعمت مجھے حاصل ہے تو اے رب! میں آپ سے ان نعمتوں کے چھن جانے سے پناہ مانگتا ہوں جو آپ نے مجھے خاص اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔

وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ "تیری دی ہوئی عافیت کے پھر جانے سے۔" یعنی کسی بیماری یا غربت یا کسی اور وجہ سے تیری عنایت کردہ عافیت ختم نہ ہو جائے، جیسا کہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے، کسی کا کاروبار ڈوب گیا اور سڑک پر آ گئے یا ایسی خطرناک بیماری لگی کہ سب سرمایہ اس کے علاج پر لگ گیا اور اب کچھ بھی نہیں بچا! اپنے، بیگانوں نے منہ پھیر لیا یا پھر کسی حادثے میں ہاتھ یا ٹانگیں تڑوا بیٹھے یا معذور ہو گئے۔

چناں چہ آپ ﷺ دونوں جہانوں کے تمام ناگوار امور سے اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کر رہے ہیں۔ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ "اور تیرے ناگہانی انتقام اور ہر قسم کی ناراضی سے پناہ چاہتا ہوں۔"

اسی طرح ہم ناگہانی عذاب اور اچانک گرفت سے تیری پناہ چاہتے ہیں کہ خدانخواستہ ہم کسی زلزلے یا سیلاب اور طوفان میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھیں۔

اور پھر دعا کے آخر میں آپ ﷺ نے ہر اس شے سے بھی پناہ مانگی جو اللہ کو غضب ناک اور ناراض کرتی ہیں، جیسا کہ انسان گناہ پر گناہ کرتا جائے، فرض عبادات کو چھوڑ بیٹھے اور توبہ کا خیال تک نہ آئے۔ رشوت لے، غریبوں کو ستائے، حق داروں کا حق مار لے، وراثت ہڑپ کر جائے، قطع رحمی کرے یا اپنی زبان اور عمل سے دوسروں کو ایسا ستائے کہ وہ اس سے عاجز آ جائیں اور ایک دن اللہ تعالیٰ ان سے شدید ناراض ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسی ہر گھڑی اور ہر آفت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا سکھائی۔

دعائیں صرف زیر لب پڑھنے کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ سوچ سمجھ کر پورے شوق، جذبے اور دل کی حضوری کے ساتھ مانگنے کے لیے ہوتی ہیں، تب ہی ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان دعاؤں ہی کی وجہ سے انسان پھلتا پھولتا اور ناگہانی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔

رہے تھے۔

"تم اپنی یاد بھی دل سے بھلا جاتی تو اچھا تھا۔"

میں نے تسلی دی اور مشورہ دیا کہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ مصروف رہا کریں، ذہنی سکون ہو گا۔ وہ کہنے لگے: "کسی کو اتنی فرصت کہاں کہ دو گھڑی میرے پاس آ کر بیٹھے اور میرا غم بانٹے۔" سب گھر والوں نے یک زبان ہو کر کہا: "کیوں نہیں ضرور بیٹھیں گے۔" امی نے تائید کی اور ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا۔

ابو نے کہا کہ "میرے ابا جان کے دم سے میرے گھر میں رونق ہے، میری کمائی میں برکت ہے اور میرے دل میں راحت اور سکون ہے۔"

اس ہی لمحے دادا جان نے آنکھیں کھولیں۔ سب کو اپنے قریب دیکھ کر مسکرائے اور دھیرے دھیرے اُٹھ کر آرام سے کرسی پر بیٹھ گئے۔ سب کے قریب ہونے سے ان کے چہرے پر رونق آ گئی تھی، وہ ڈاکٹر منیر کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، جنھوں نے ان کی تنہائی دور کرنے کا ایک بہترین نسخہ بتایا تھا۔

درد کا درماں

وردہ جنجوعہ

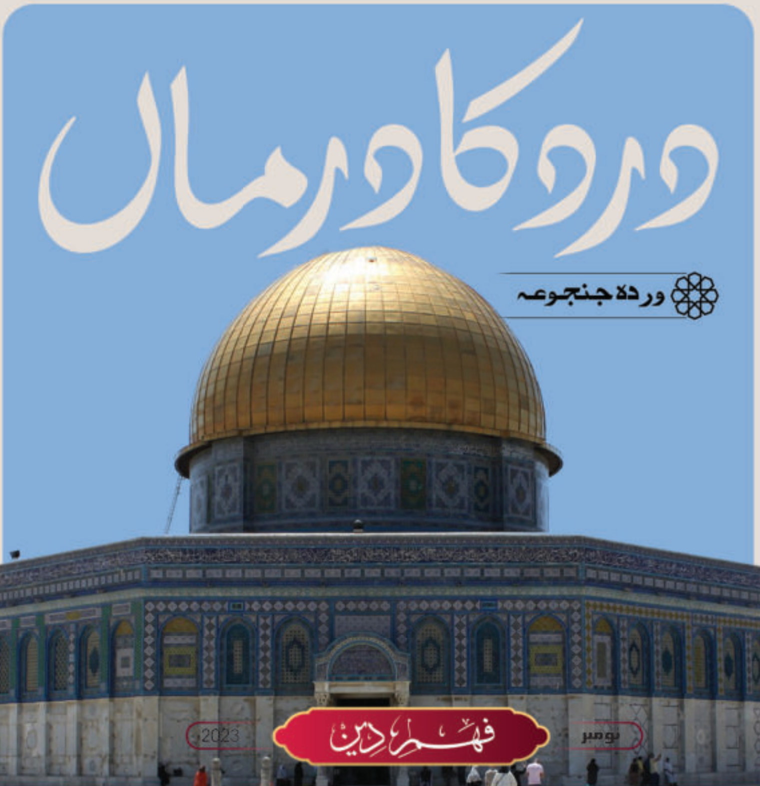

مسجدِ اقصیٰ پر اسرائیلی پولیس کا دھاوا۔۔۔

بیت المقدس میں واقع مسجدِ اقصیٰ پر اسرائیلی پولیس کے چھاپے کے دوران کم از کم 14 افراد زخمی ہوئے ہیں۔ اسرائیل کے زیرِ قبضہ مشرقی بیت المقدس میں جھڑپیں اس وقت شروع ہوئیں، جب متعدّد فلسطینی نمازی رمضان کے مہینے میں عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں ہی رک گئے۔ اسرائیلی پولیس کا دعویٰ ہے کہ اس نے نمازِ فجر سے قبل اس وقت مسجد پر چھاپہ مارا جب آتشی مواد، لاٹھیوں اور پتھروں سے مسلّح "مظاہرین" نے خود کو مسجدِ اقصیٰ کے اندر بند کر لیا۔ نیوز چینل کا اینکر پیشہ ورانہ انداز میں مسجدِ اقصیٰ پر ایک بار پھر حملے کی خبر سنا رہا تھا۔

بارہ سالہ فاخر جو یہ سب سن رہا تھا کہنے لگا: "بابا جان! یہ اسرائیلی فوج بار بار مسجد اقصیٰ پر حملہ کیوں کرتی ہے؟"

معصوم سے چہرے پر افسردگی دیکھ کر نعمان صاحب نے ٹی وی کی آواز کم کی اور بیٹے کی طرف متوجّہ ہو کر بولے: "بیٹا! کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ ان کی ہے اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہ اسے واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن بابا جان! مسجد تو مسلمانوں کی ہوتی ہیں نا، یہودیوں یا عیسائیوں کی تو نہیں۔" نعمان صاحب کی بات سے فاخر الجھن میں پڑ گیا۔ اس نے ہمیشہ اسکول میں یہی پڑھا تھا کہ مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہیں۔

بابا جان بولے: "بیٹا! فلسطین انبیا (علیہم السلام) کی سرزمین ہے۔ یہودی نے تقریباً تیرہ سو سال قبل مسیح میں فلسطین پر قبضہ کیا اور یہاں آباد ہو گئے، لیکن ان کی مستقل نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو رومیوں کے ہاتھوں ذلّت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے نکلوا دیا تھا۔ انھوں نے یہودیوں کا داخلہ یہاں ممنوع قرار دیا تھا۔"

"پھر یہ دوبارہ یہاں تک کیسے آ گئے؟" فاخر نے سوال کیا۔

بابا جان اب پوری طرح بیٹے کو سمجھانے میں لگ گئے اور کہا: "بیٹا! یہود ہمیشہ سے یہ کہتے آئے ہیں کہ بیت المقدس اللہ نے ان کو عطا کیا تھا اور وہی اس کے وارث ہیں، جب کہ ایسا ہرگز نہیں، یہ سرزمین ہر سچے نبی کی امت کا حق رہا ہے اور اسی لیے یہ مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ لیکن یہود اپنے بچوں کے ذہن میں یہ بات پختہ کرتے ہیں کہ فلسطین ان کا ہے۔ بارہویں صدی عیسوی کے مشہور یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون نے اپنی کتاب شریعتِ یہود (The Code of JewishLaw) میں صاف صاف لکھا ہے کہ ہر یہودی نسل کا یہ فرض ہے کہ وہ بیت المقدس میں ہیکلِ سلیمانی کو از سرِ نو تعمیر کرے۔"

"ہیکلِ سلیمانی کیا ہے بابا جان؟ اور یہودی وہ کیوں تعمیر کرنا چاہتے ہیں؟" فاخر کی جانب سے فوراً سوال آیا۔

نعمان صاحب مسکرائے اور بولے: "یہ ایک عبادت گاہ تھی، جسے حضرت سلیمان علیہ السّلام نے جنّات سے تعمیر کروایا تھا اور یہودی یہاں عبادت کیا کرتے تھے۔"

"جنات سے۔۔۔!!!" ننھے فاخر کے تجسّس نے ایک بار پھر اسے بابا جان کی بات کاٹنے پر مجبور کر دیا۔

بابا جان بولے، "جی ہاں، جنّات سے۔ اور اب ان کا ماننا ہے کہ یہاں ان کے مسیحا دجّال کا تخت ہوگا، جس کے بعد یہ دنیا پر حکومت کریں گے۔"

بابا جان کی باتیں سن کر فاخر ایک گہری سوچ میں ڈوب چکا تھا۔ اس کو گم سم دیکھ کر نعمان صاحب کھنکارے تو وہ چونک گیا۔ "کیا ہوا بیٹا! کیا سوچ رہے ہو؟"

فاخر نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں جواب دیا: "میں سوچ رہا ہوں یہی وجہ ہے کہ فلسطین کے مسلمانوں پر اتنا ظلم ہو رہا ہے۔"

بابا جان نے جواب دیا: "جی بیٹا! بالکل ایسا ہی ہے۔ 1948 میں اسرائیل کے قیام سے اب تک اسرائیلی فوج بے دریغ فلسطینی عوام پر ظلم کے پہاڑ ڈھا رہی ہے۔ مسلمانوں کی جان کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رہی۔ بے گناہ لوگوں کو قید کر لیا جاتا ہے، ان پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر ان پر تشدّد کیا جاتا ہے، سب سے بڑھ کر انھیں کسی کو قتل کرنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ اپنے قیام سے اب تک اسرائیل غزہ پٹی، دریائے اُردن کے مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم پر ناجائز قبضہ کر چکا ہے۔"

"لیکن بابا جان! کیا ان کو روکنے والا کوئی نہیں ہے؟" فاخر نے سوال کیا۔

بابا جان نے سرد آہ بھری اور کہنے لگے: "فاخر بیٹے! یہودی اس وقت دنیا کی اقتصادی طاقت ہیں۔ معاشی نظام ان کے اختیار میں ہے۔ دنیا بھر کے ممالک اپنا نظام چلانے کے لیے ان کے پابند ہیں، اس لیے کوئی بھی ان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ خلافت کا نظام ختم ہو جانے سے مسلم ممالک کا اتّحاد بھی پارہ پارہ ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے وہ بھی دنیا بھر میں بے بسی کی تصویر بن چکے ہیں۔"

نعمان صاحب کے چہرے پر دکھ کی ایک لکیر اُبھری۔ فاخر بھی ان سب حالات کو جان کر بہت افسردہ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سے سوال کیا: "اس صورتِ حال میں ہم کیا کر سکتے ہیں اپنے فلسطینی بھائیوں کے لیے؟ بابا جان!" اپنے بیٹے کی بے چینی اور لہجے سے جھلکتی فکر دیکھ کر نعمان صاحب نم آنکھوں سے مسکرا دیے۔ انھیں خوشی تھی کہ ان کا بیٹا اپنے دل میں امتِ مسلمہ کے لیے درد محسوس کرتا ہے۔

انھوں نے فاخر کو پیار کیا اور کہنے لگے: "بیٹا جانی! میری اور آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کریں، کیوں کہ ہم وہاں جا کر جہاد کرنے کی حالت میں نہیں ہیں اور یہ مسلمان حکم رانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے لیے عملی طور پر قدم اٹھائیں۔ اگر آپ واقعی ان کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو دو نفل حاجت کے پڑھ کر ان کے لیے سچے دل سے روز دعا کیا کرو کہ اللہ پاک ان کی مدد کے لیے اسی طرح کوئی لشکر بھیجیں، جیسا کہ مکہ والوں کی مدد کے لیے ابابیلوں کا لشکر بھیجا گیا تھا۔ یہ آپ، میری اور پوری امت کی آزمائش کا وقت ہے کہ ان کے اس مشکل دور میں ہمارا ردِّ عمل کیا ہوتا ہے۔ احادیث میں ان حالات کی پیشن گوئی پیارے آقا ﷺ نے 1400 سال قبل ہی فرما دی تھی۔"

فاخر صدقِ دل سے یہ نیت کر چکا تھا کہ وہ روزانہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے ہر نماز کے بعد اور نوافل کے ساتھ خصوصاً دعا کیا کرے گا۔

"پیارے بچو! کیا آپ اپنے مسلمان بہن بھائیوں کے لیے دعا کی عادت بنانے کی نیت کر چکے ہیں؟ کیا آپ بھی فاخر کی طرح اپنے دینی بھائیوں کی مدد کریں گے؟"

لڑا دے ممولے کو شہباز سے

ام محمد عبداللہ

موشے دایان نے چلڈرن کلب کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔

تاحدِّ نگاہ پھیلے بحیرۂ روم کے نیلے پانیوں پر سورج غروب ہو رہا تھا۔ ”تل ابیب کی بندرگاہ! دنیا کی جدید، مصروف اور بارونق بندرگاہوں میں سرِفہرست۔۔۔ مجھے اپنے اسرائیلی ہونے پر فخر ہے۔“ وہ خوشی سے مسکرایا۔ ”اور صبح چھٹی بھی تو ہے۔“ وہ گنگنایا۔ پارکنگ لاٹ میں اس کے دادا کی چمکتی دمکتی کار کھڑی تھی۔ وہ اس لیے بھی بہت پُرجوش تھا کہ اس کے دادا نے ان کے ساتھ چھٹی گزارنے کا فیصلہ بھی کیا تھا اور اب اسے چلڈرن کلب بھی لائے تھے۔ وہ خود اس وقت بیچ ریزورٹ پر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ”گھر واپسی کا وقت ہو گیا۔“ وہ اُچھلتا کُودتا کلب سے باہر آیا تو دادا کے ساتھ انھی کی عمر کا ایک اجنبی کھڑا تھا۔

”موشے! ان سے ملو، یہ ہیں مسٹر ڈایا مونٹ، میرے ایک دیرینہ دوست آج کئی سالوں بعد یہاں ان سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ یہ ہمارے ساتھ ہی گھر چلیں گے۔“ موشے نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ مسٹر ڈایا مونٹ کی طرف بڑھا دیا۔

گھر واپسی کے سفر میں دونوں عمر رسیدہ دوست تل ابیب بندرگاہ، پارکنگ لاٹ اور بیچ ریزورٹ کی خوب صورتی اور اسرائیل کی ذہانت، طاقت اور تمام دنیا پر اس کی برتری و فوقیت کے گُن گاتے رہے۔

”یہ علاقہ کیا تھا، ایک بنجر صحرا! جہاں کچھ وحشی و جنگلی غیر مہذّب لوگ تھے۔“ مسٹر ڈایا مونٹ کہہ رہے تھے۔

اسے خوب صورت، سرسبز و شاداب، لہلاتے اور زرخیز نخلستان میں تو ہم نے تبدیل کیا ہے۔ سائنس ٹیکنالوجی، اکنامکس کیا نہیں جو اسرائیل دنیا بھر میں بانٹ رہا ہے۔

موشے یہ سب باتیں بہت غور سے سن رہا تھا۔

”مجھے اپنے اسرائیلی ہونے پر فخر ہے۔“ [illegible] بڑبڑایا۔

اوائلِ شب تھی، ایک چھوٹے سے کمرے کے مرکز میں ایک میز پر مقبوضہ فلسطین کا نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ میز کے گرد فلسطینی جوان خاموش، مگر مستعد کھڑے تھے۔ اس خاموشی میں ان جوانوں کے کمانڈر کی آواز ابھری:

اللہ کے شیرو!

تم سب جانتے ہو کہ اسرائیلی ناجائز ریاست اپنے قیام کے آغاز سے ہی بدترین ظلم و بربریت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ ہماری لاکھوں کی آبادی بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر کے غزہ کے چھوٹے سے رقبے میں قید کر دی گئی ہے، جسے یہ نام نہاد مہذّب قومیں خود دنیا کی سب سے بڑی اوپن ایئر جیل کہنے پر مجبور ہیں۔ آئے دن ہمارے معصوم شہری جن میں بیمار، عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی شامل ہیں، اسرائیل کی بِلاجواز بمباری کا نشانہ بنتے ہیں۔

جوانو! دہشت گرد اسرائیل نے ہمیں ہمارے گھروں سے نکالا، ہمارے کاروبار، باغات دفاتر تباہ کیے۔ ہماری ہنستی بستی لہلاتی بستیوں کو قبرستانوں میں تبدیل کر دیا۔ ہمارے مقدّس مقامات کی حرمت کو پامال کیا۔

انھیں نہ تو اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کا پاس ہے اور نہ ہی ان کے پاس انسانی حقوق کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ یہ بار بار امن معاہدے بھی پامال کرتے آئے ہیں اور ان کے ظلم و جبر کی کوئی حد نہیں، یہ کسی ایک مقام پر رکنے کو تیار نہیں، سب سے بڑھ کر خطرناک بات یہ ہے کہ محبوب و مسجود الانبیا مسجدِ اقصیٰ ان کے رحم و کرم پر ہے۔

ہم چِلا چِلا کر غاصب اسرائیل کو خبردار کرتے ہیں کہ ظلم بند کرو، ہم دنیائے عالم سے اپیل پر اپیل کرتے ہیں کہ آزاد فضاؤں میں سانس لینے والو! آؤ، دیکھو ہمیں سانس لینے کی بھی آزادی نہیں۔ ہم مسلم اِمہ سے بھی مسلسل فریادیں کر رہے ہیں کہ آؤ! مسجدِ اقصیٰ تو ہم سب کی ہے۔ آؤ! اس کے تحفّظ کے لیے آؤ!!

مگر ہمیں کہیں سے جواب نہیں ملتا۔

لیکن اے اقصیٰ کے محافظو!

اب وقت آگیا ہے کہ تم ظلم اور جبر پر، اقصیٰ کے دشمنوں پر طوفان بن کر ٹوٹ پڑو۔ اسے صیہونی ناپاک عزائم کے خلاف مکمل تحفّظ دینے کے لیے اپنی آخری سانس اور اپنے لہو کے آخری قطرے تک لڑو۔ ہم جانتے ہیں، دشمن خاموش نہیں بیٹھے گا، وہ چیختا چنگھاڑتا ہماری جانب لپکے گا، مگر دیکھو! جب ہم کچھ بھی نہیں کرتے تو تب بھی تو یہ ہمارا قتلِ عام کرتے ہیں اور اب اس مقام تک آ کر ہم اتنا سب کچھ لٹا چکے ہیں کہ ہمارے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا، ہاں! البتہ طاقت کے نشے میں بدمست اس ہاتھی کو ہمیں یہ باور ضرور کروانا ہے کہ ہمارے ایمان و یقین کے سامنے ان کی حیثیت مکڑی کے جالے سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔

سب جوان اپنے کمانڈر کا پیغام سمجھ رہے تھے۔ ان کے دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت سے سرشار تھے اور اب وہ سب میز پر پھیلے نقشے کی جانب متوجہ تھے، جہاں کمانڈر کچھ نشان لگا کر انھیں ہدایات دے رہا تھا۔

موشے دیال کی آنکھ کھلی تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ وہ منہ ہاتھ دھو کے باہر آیا تو لاؤنج میں دادا اور مسٹر ڈایا مونٹ کے قہقہے سُن کر رُک گیا۔

”یہ کیوں ہنس رہے ہیں؟“ وہ بھی مسکرا دیا۔

دادا کہہ رہے تھے: ”سچ جب کل رات میں نے کار پارکنگ میں تمھیں دیکھا تو 1948 کے سارے مناظر نگاہوں کے سامنے گھوم گئے۔ سچ ہے طنطورہ ایک بہت سر سبز و شاداب گاؤں تھا۔ طنطورہ کے کھجوروں کے باغات جیسے باغات پھر کبھی میری نظروں سے نہیں گزرے۔ کھجوروں سے لدے پھندے درخت آج بھی میری نگاہوں میں جیسے جمے ہیں۔ ہمارے بیچ ریزورٹ کی خوب صورتی تو ان باغات کے آگے کچھ بھی نہیں۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ مسٹر ڈایا مونٹ نے تائید کی۔

تم بیچ ریزورٹ کی بات کرتے ہو، سچ کہوں تو ان کی یافا کی بندر گاہ بھی زبر دست تھی۔ میں 1948 سے پہلے بھی کئی بار یہاں آیا۔ یافا کی بندر گاہ پر میں نے ہمیشہ بہت چہل پہل دیکھی۔ اس بندر گاہ کا انتظام بھی یہاں کے لوگ بڑے منظم طریقے پر چلا رہے تھے۔

ڈایا مونٹ نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ حکومت نے اس بندر گاہ کو تل ابیب بندر گاہ کا نام دے کر بہت اچھا کیا۔ ہم ان فلسطینی عربوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں، اس لیے ان کے قتلِ عام کے ساتھ ساتھ ان کی عمارتوں کو تباہ کرنا اور شہروں وغیرہ کے نام تبدیل کر دینا بے حد ضروری ہے۔ وہ دونوں اس وقت بے تکلّفی سے باتیں کر رہے تھے۔

چھوڑو یہ سب اچھا یہ بتاؤ: کیا تمھیں یاد ہے، اس دن ہم کیسے جنونی اور پاگل ہو رہے تھے۔ گاؤں کی عورتیں کتنی حسین تھیں اور ان کے لباس کیسے شان دار تھے۔ وہ دونوں خباثت سے ہنسے۔۔۔ اور وہ جو نو عمر لڑکی تم نے پکڑلی تھی اور اس کے کپڑے پھاڑ کر اسے بے آبرو کر دیا تھا۔ وہ دونوں ایک بار پھر قہقہ لگا کر ہنسے۔

اور ہمارے پاس جو پنجرے تھے، جن میں ہم ان عربوں کو قید کر کر کے جلا رہے تھے۔ اور ان کے وہ چند لڑکے جو ہم سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے اور ہم نے آگ کے گولے پھینک کر انھیں جلا دیا تھا۔

زیادہ ہنسنے کی وجہ سے ان دونوں کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

موشے دیال گم صم! 'کاٹو تو بدن میں لہو نہیں' کی مثال بنا جہاں کھڑا تھا وہیں جم سا گیا تھا تو وہ سب باتیں جو اس دن مسجد اقصیٰ کے احاطے میں ایک بوڑھی فلسطینی عورت ایک اسرائیلی فوجی کو جو اسے دھکے دے رہا تھا کہہ رہی تھی، سچ تھا۔ آنسو تو موشے کی آنکھوں سے بھی بہ نکلے تھے، مگر یہ آنسو دادا اور مسٹر ڈایا مونٹ کے آنسوؤں سے یک سر مختلف تھے۔

کیا مجھے اپنے اسرائیلی ہونے پر فخر ہے؟ آنسوؤں کا گولہ اس کے گلے میں جا اٹکا تھا۔

یک دم سائرن بجنے لگے۔

دادا اور مسٹر ڈایا ماؤنٹ ہنسی مذاق اور پچھلی یادیں بھول کر خوف سے کانپنے لگے تھے۔ لگتا ہے ہم پر دہشت گردوں نے حملہ کر دیا ہے۔ وہ جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگنے لگے اور موشے دیال جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا سوچنے پر مجبور تھا کہ دہشت گرد اصل میں ہوتا کون ہے؟ وہ جو دوسروں سے زندگی چھین لے یا وہ جو اپنی زندگی بچانے کے لیے مزاحمت کرے؟

غزہ، بیرونی دنیا سے بالکل کٹا ہوا ایک جیل خانہ جہاں گزشتہ سترہ برس سے دنیا کے بدترین مظالم مسلسل ہو رہے ہیں اور بلا جواز ہو رہے ہیں۔ ظالم اپنے وقت کا وہ فرعون ہے، جسے قتلِ عام کرنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت نہیں۔ وہ اس مقدّس سر زمین پر فلسطینی مسلمانوں کی نسل کشی کے ناپاک عزائم لے کر وارد ہوا ہے۔ کوئی مزاحمت کرے یا نہیں اسے یہ نسل کشی اپنے شیطانی نصب العین کو پانے کے لیے کرنا ہی کرنا ہے۔

اسی جیل خانے کے ایک کمرے میں شبیح اور عبدل اپنے دادا جان عدنان یحییٰ کے بستر کے ساتھ لگ کر بیٹھے تھے، جہاں وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ وہ آج بھی انھیں وہی سب بتا رہے تھے جو ہمیشہ بتایا کرتے تھے۔

میں اس وقت 17 سال کا تھا، جب اسرائیلی فورسز نے طنطورہ کے علاقے پر قبضہ کیا، جہاں اب کار پارکنگ ہے۔ یہ زمین ہمارے خاندان کی ملکیت تھی، جہاں ان بھیڑیوں نے مجھے اور میرے دوست کو اجتماعی قبریں کھودنے اور درجنوں لاشیں دفنانے پر مجبور کیا تھا۔

میں اس دن کو کبھی نہیں بھول سکتا، اس دن میرا انسانوں پر یقین ختم ہو گیا تھا اور اب جب میری سانسیں ختم ہو رہی ہیں تو تم عہد کرو کہ دنیا کو بتاؤ گے کہ طنطورہ میں ہمارے ساتھ کیا ہوا تھا۔

باہر ہر جانب بھیانک اندھیرا اور دھواں تھا، جس میں وقفے وقفے سے آگ برساتے بم گر رہے تھے۔ ہر گھر میں زندہ کم اور میتیں زیادہ تھیں۔

عبدل اور شبیح جانتے تھے، ان بم برسانے والوں نے 1948 میں تقریباً ساڑھے سات لاکھ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا تھا، اس سانحہ کو وہ نکبہ کہتے تھے۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ انھیں سر زمینِ انبیا کی حفاظت اپنے سروں کی قیمت دے کر ادا کرنا تھی، مگر وہ اللہ رب العزت سے کی گئی اس تجارت پر راضی اور خوش تھے، کیوں کہ وہ اسپورٹس اور فیشن ورلڈ کے بجائے اس مقدّس سر زمین پر جی رہے تھے، جو انبیا و صدّیقین و صالحین و شہدا کا مسکن چلی آ رہی ہے، ان کے بزرگوں کے قاتلوں کی تاریخ تو انبیا کے قتل سے بھری پڑی ہے۔ وہ قاتل یہود کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اپنی تاریخ سے بھی واقف تھے کہ جس میں کم سن حضرت معاذ اور حضرت معوّذ، حضرت رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنھم باطل سے ٹکرا کر اسے نیست و نابود کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

انھوں نے دادا کی آخری ہچکی کے ساتھ ان کی آنکھیں بند کیں، دعائے مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اب وہ کمرے کے کونے کے فرش پر بچھے ہوئے پرانے ٹاٹ کے نیچے زیرِ زمین کھودی ہوئی سرنگ کے اندر اتر چکے تھے، وہ تیزی سے مزاحمتی تنظیم کے ساتھ جا ملنا چاہتے تھے کہ دہشت گرد اسرائیل نے انھیں اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اپنے دادا کا کفن دفن ہی کر لیتے۔

ہاں! لیکن وہ اس امت کے ماتھے کا جھومر ہیں کہ سر زمینِ انبیا کی آزادی اور مسجدِ اقصیٰ کے تحفّظ کے لیے اپنی آخری سانس اور آخری خون کے قطرے تک لڑنے کو تیار ہیں۔

سچی داستان

احسن اختر

بچپن کی وہ سچی داستان جس کا ایک کردار میں بھی تھا، اس کی یادیں آج تک ذہن سے محو نہ ہو سکیں۔ میرا دوست نثار جو اس کہانی کا ایک کردار تھا، وہ اب اس دنیا میں نہیں، ارباب اب بیرونِ ملک اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔

ہمارا گاؤں سندھ کے دور افتادہ مقام پر واقع تھا۔ ایک طرف چٹیل ریگستان تو دوسری طرف کھیت، بارانی نہر اور تیسری طرف شہر کو جانے والی سڑک تھی، جہاں ہم بچوں کا جانا ممنوع تھا کیوں کہ وہاں تیز رفتار ٹرک اور لاریاں گزرتی تھیں۔

چوتھی طرف پہاڑیاں تھیں، جہاں برسات کے بعد ایسی ہریالی ہو جاتی کہ علاقہ جنت کا نمونہ پیش کرنے لگتا۔ گاؤں کے بچوں کی ذمے داری بکرے پالنا تھی اور یہ ہمارا شوق بھی ہوتا تھا، لہٰذا ہم گاؤں کے بچے پڑھائی سے فارغ ہو کر اپنے مویشی لے کر پہاڑوں پر چلے جاتے، جہاں ہم شام گئے واپس آ جاتے۔

نثار، ارباب اور میں ہم جماعت تھے۔ ایک جیسے کپڑے پہنتے اور جب ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے گاؤں کی گلیوں میں دوڑتے دیکھائی دیتے تو نیا آنے والا یہی سمجھتا کہ ہم تینوں ایک ہی گھر میں رہنے والے جڑواں بھائی ہیں۔ تینوں کی عادات اور قد و قامت بھی ایک جیسے تھے۔ تینوں ہی پڑھائی کے بعد تیز دھوپ میں اپنے گھر کے بکرے بکریاں لے کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتے۔ تینوں کے بکرے بکریاں مل کر ایک ریوڑ کا منظر پیش کرتیں۔ پہاڑ پر جا کر ایک مخصوص جگہ بکریاں چھوڑ دی جاتیں، جو ایک مخصوص وقت کے بعد گھوم کر ہمارے پاس واپس آ جاتیں۔

ہم تینوں اس وقت کھانا کھاتے، اسکول کا کام کرتے اور آنکھ مچولی کھیلتے وقت گزر تا جاتا۔ ہم روز سوچتے علاقے کے سب سے اونچے پہاڑ کی جانب چل کر نئے نظارے دیکھیں گے، لیکن اندھیرا چھانے لگتا اور ہم واپس آ جاتے۔

اسکول کی چھٹیوں کے دن تھے، ہم تینوں دوست اپنے مویشی لے کر علی الصباح ہی نکل کھڑے ہوئے۔ پہاڑی کی جانب رستہ مون سون کی برسات کے بعد دلکش نقشہ پیش کر رہا تھا، پہاڑیاں سبزے سے بھر چکی تھیں۔ خود رو بیر، امرود اور دیگر درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ مویشی بھی خوشی خوشی گھانس پھونس کھاتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ نثار آج بہت خوش تھا۔ وہ رات ہی اپنی والدہ سے کہہ کر گوشت میں مسالا لگوا کر لایا تھا کہ ہم سیخ میں بھون کر کھائیں گے۔

ارباب اور میں بھی اپنے گھروں سے کچھ خاص چیزیں بنوا کر لے آئے تھے۔ نثار نے ہماری مخصوص جگہ سے ہٹ کر نسبتاً اونچی جگہ منتخب کی، جہاں ہمارے مویشی بھی نیچے وادی میں چرتے نظر آتے رہیں اور گاؤں کی جانب بھی نگاہ پڑتی رہے۔

ہم نے کھانے پینے کی تیاری شروع کی، خوش گپیاں بھی ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔

ارباب سیخوں میں گوشت پرونے لگا، میں اور نثار پتھروں کا چولہا تیار کرنے لگے۔ چولہا بنانے کے بعد ہم نے ارد گرد سے لکڑیاں اکٹھی کیں۔ دوپہر ہو چلی تھی، دور گاؤں کی مسجد سے مؤذن صاحب کے اذان دینے کی آواز سنائی دینا شروع ہو چکی تھی، ہم تینوں نے باجماعت نماز ادا کی اور کھانا بنانے کی تیاری کے لیے چولہے میں آگ سلگا دی۔ کچھ دیر میں کھانا بن چکا تھا، ہم تینوں دوست کھانے پر بیٹھے ہی تھے کہ گاؤں کی جانب سے شدید فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں، ہم سہم سے گئے۔۔۔ مویشی بھی اپنے کان کھڑے کر کے یک جا ہو کر اپنی روز کی مخصوص جگہ کی جانب اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔

گاؤں کی جانب سے چیخ و پکار کی آوازیں بھی آئیں، ہم گومگو کی کیفیت میں تھے کہ کیا ہوا ہے؟ اور ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اچانک گاؤں کی جانب سے پانچ، چھ نقاب پوش بھاگتے پہاڑوں کی جانب آتے دکھائی دیے، ان کے پاس اسلحہ بھی نظر آ رہا تھا، جسے وہ وقفہ وقفہ سے استعمال کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ بھی لاٹھیاں اور ڈنڈے اٹھائے شور مچاتے نظر آ رہے تھے، لیکن وہ کافی دور تھے۔ ہم تینوں اونچی جگہ موجود تھے، ہم نے فوری طور پر آنے والے نقاب پوشوں کے اوپر بھاری پتھر پھینکنے شروع کر دیے۔ پہلے ہی حملے میں دو نقاب پوش سر میں پتھر لگنے سے گر پڑے۔

بقیہ میں سے آدھے نقاب پوشوں نے ہماری طرف شدید فائرنگ شروع کر دی۔ آدھے گاؤں کی جانب سے آنے والے لوگوں پر فائرنگ کرتے رہے۔

ارباب اور میں نسبتاً دور تھے،

ان کی فائرنگ سے بچ نکلے، لیکن ہمارا تیسرا دوست فائر لگنے سے زخمی ہو گیا۔ نثار کا خون بہہ رہا تھا، ہم اس کو سنبھالنے کو لپکے، لیکن وہ زخمی حالت میں بھی باقی رہ جانے والوں کی طرف پتھر پھینکنے کا اشارہ اور اصرار کرتا رہا۔

ہم تینوں کے لگنے والے پتھروں سے بقیہ حملہ آور بھی زخمی ہو گئے اور ہماری جانب سے راستہ چھوڑ دیا اور کھیتوں کی جانب دوڑ لگا دی۔ فائرنگ کی آوازوں سے ارد گرد کے قریبی گاؤں کے لوگ بھی ہمارے گاؤں کی جانب پہنچ چکے تھے، جلد ہی حملہ آور جن کی بعد میں شناخت اشتہاری ڈاکوؤں کی ہوئی، پکڑے گئے۔ ان سب کے سر ہمارے مارے گئے پتھروں سے کھلے ہوئے تھے۔ نثار زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا، جس کو شہر کے ہسپتال لے کر جانے کے انتظامات کیے ہی جا رہے تھے، مگر اس نے ہمارے بازوؤں میں دم توڑ دیا۔ وہ ڈاکو اشتہاری مجرمان تھے، جنہوں نے طویل عرصے سے علاقے کے لوگوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ ان کی گرفتاری پر انعام مقرر تھا، جو حکومت نے ہم دونوں یعنی ارباب اور مجھے دیا اور ایک حصہ نثار کے گھر والوں کو دے دیا۔

بعد از اں عدالت کے حکم پر مجرم ڈاکوؤں کو پھانسی و عمر قید کی سزا دے دی گئی۔

ہمارے گاؤں کے اسکول کا نام تبدیل کر کے نثار گورنمنٹ پبلک ہائی اسکول رکھ دیا گیا۔

آج سالوں گزرنے کے بعد بھی نثار کی تصویر اسکول کے بورڈ پر آویزاں ہے۔ روزانہ اسمبلی میں صبح طلبہ اس کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

جگمگاتے رنگ

تماضر ساجد

"ہاؤووو! ! !" ریّان، حیدر کے کان کے قریب چلایا تو حیدر گھبرا گیا۔

"ہائے ریّان یہ تم ہو! ڈرا کر رکھ دیا مجھے!" ریّان ہنسنے لگا۔

"کیا کر رہے تھے تم؟" وہ حیدر کے سامنے بکھرے رنگوں اور کاغذوں کو دیکھ کر بولا۔

"مصوّری۔" حیدر دوبارہ رنگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اوہو! مجھے بھی تو دکھاؤ کیا بنا رہے ہو؟" ریّان نے پُر اشتیاق انداز سے پوچھا۔

"کل مقابلۂ مصوّری ہے نا! اس لیے بادشاہی مسجد بنانے کی مشق کر رہا تھا۔

"کیسا مقابلہ؟" ریّان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہمارے اسکول میں وقتاً فوقتاً مختلف مقابلے ہوتے رہتے ہیں، ان مقابلوں میں مصوّری بھی شامل ہے، اس بار مصوّری کے مقابلے میں بادشاہی مسجد بنانا ہو گی۔" حیدر نے تفصیل سے بتایا۔

"اچھا، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ خیر! ویسے ہی مجھے تو مصوّری آتی ہی نہیں۔" ریّان کے لہجے میں اداسی تھی۔

"میں تمھیں سکھا دوں گا، فکر نہ کرو۔" حیدر نے اسے تسلی دی تو ریّان مسکرا دیا اور اس کے سامنے رکھے کاغذوں میں سے ایک اٹھا لیا۔

ریّان اور حیدر چچازاد بھائی تھے۔ شرارتی سے ریّان کی اپنے دوستوں سے کم ہی بنتی تھی۔ اس کے ہم جماعت اس کی شرارتوں سے عاجز تھے۔ نیا سال شروع ہوا تو اس کے ابو نے اسے حیدر کے اسکول میں داخل کروا دیا۔ نئے اسکول کا ماحول پچھلے اسکول سے بالکل مختلف تھا۔ ڈسپلن پر بڑی توجہ دی جاتی۔ ریّان یہاں کی پابندیوں کو دیکھ کر اپنے پچھلے اسکول کو یاد کرتا۔ نئے اسکول میں شرارتیں بھی کم ہو گئی تھیں۔ پوری جماعت میں ایک حیدر سے ہی اس کی دوستی تھی۔ چچازاد ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کا کوئی کام ادھورا رہ بھی جاتا تو وہ گھر آ کر حیدر سے مدد لے لیتا۔ کل اس نے اسکول سے چھٹی کی تو اب وہ حیدر سے گھر کا کام پوچھنے آیا تھا، لیکن حیدر کی پیش کش پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

حیدر اسے مصوّری سکھانے لگا، پہلے پہل ریّان سے دیوار ٹیڑھی بن رہی تھی۔ کافی دیر مشق کرنے کے بعد دیوار تو سیدھی ہو گئی، مگر گنبد ٹھیک سے نہ بن سکا۔ کافی وقت گزر چکا تھا۔ اچانک ریّان کو یاد آیا کہ ابھی اسے اسکول کا کام بھی لکھنا ہے۔ وہ سلیبس کا پرچہ تھامے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم گھر جا رہے ہو؟ اچھا ٹھیک ہے، ہم مشق کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تمھیں بھی بنانا آ جائے گا۔" حیدر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"مقابلے میں حصہ لینے والے بچے ہاتھ کھڑا کریں۔" مس کے کہنے پر حیدر نے ہاتھ کھڑا کر دیا۔

"اس مرتبہ مقابلہ ذرا مختلف ہے۔" مس نے ڈرامائی انداز میں کہا تو سب بچے پوری طرح متوجہ ہو گئے۔

"یہ مقابلہ ٹیموں کے درمیان ہے۔ ہر ٹیم میں دو دو بچے ہوں گے۔ آپ سب اپنے ساتھی منتخب کریں گے، جو ٹیم سب سے پہلے مصوّری مکمل کرے گی، اسے ایک خصوصی تحفہ بھی ملے گا۔" خصوصی تحفے کا سن کر بچے اور زیادہ پرجوش ہو گئے۔ حیدر نے اپنی ٹیم میں ریّان کا انتخاب کیا تھا، مگر ریّان بہت پریشان تھا۔ وہ بار بار حیدر سے کہتا: "یار مجھے تو مصوّری آتی ہی نہیں۔" حیدر اسے تسلی دیتا رہا۔

بچوں کے لیے ٹیم کی شکل میں مقابلے کا یہ پہلا موقع تھا۔

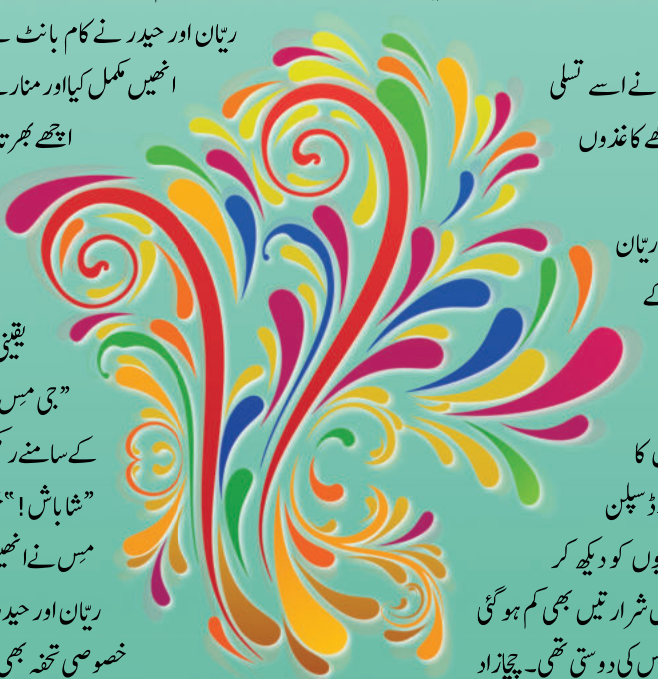

ریّان اور حیدر نے کام بانٹ لیے۔ ریّان نے آدھی دیواریں بنائیں۔ حیدر نے انھیں مکمل کیا اور منارے بھی صفائی سے بن گئے۔ ریّان رنگ بہت اچھے بھرتا تھا، وہ رنگ بھرنے لگا۔

"بن گئی!" اچانک ریّان کی پُرجوش آواز سن کر کئی بچوں کے ہاتھ رُک گئے۔

"کیا واقعی بن گئی؟ اتنی جلدی!" مس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"جی مِس!" حیدر نے مسکراتے ہوئے اپنی مصوّری مس کے سامنے رکھی۔

"شاباش!" خوب صورت رنگوں سے سجی مصوّری دیکھ کر مِس نے انھیں توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

ریّان اور حیدر کو بہترین مصوّری کے انعام کے ساتھ ساتھ خصوصی تحفہ بھی ملا۔ ریّان خوش بھی تھا اور بے یقین بھی۔

"یار! ہم تمھاری وجہ سے مقابلہ جیتے ہیں، تم نے کتنی اچھی مصوّری کی تھی۔" ریّان نے حیدر کو کہا تو حیدر مسکرا دیا۔

"رنگ تو تم نے بھرے تھے نا! اگر تم اتنے اچھے رنگ نہ بھرتے تو ہمیں بہترین مصوّری کا انعام کیسے ملتا؟ یہ تو ہم دونوں کا مشترکہ انعام ہے۔" ریّان بھی مسکرا دیا۔

"اب تو میں خود بھی مصوّری سیکھوں گا۔" ریّان کا لہجہ پُرعزم تھا۔

"ان شاء اللہ!" حیدر بولا اور وہ دونوں نوٹس بورڈ پر سجی مصوّری دیکھنے لگے، جس کے رنگ اتنی دور سے بھی جگمگاتے دکھائی دے رہے تھے۔ بالکل ان کی دوستی کے رنگوں کی طرح!

رشتوں کی ڈور

تنزیلہ احمد

تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے اس کی نظریں گھڑی کی طرف بار بار اٹھ رہی تھیں۔

"اف! صرف پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس لڑکی، جلدی کرو، پھر آفس کے لیے تیار بھی ہونا ہے۔" فائقہ نے خود کلامی کی۔

"بھابھی! ناشتا بن گیا؟ جلدی کریں نا، یونیورسٹی کی بس چھوٹ جائے گی۔" اس کی نند حنا نے باورچی خانے میں جھانکا اور جھلاتے ہوئے بولی، یہ اس کا روز کا معمول تھا۔

"تم سے زیادہ مجھے جلدی ہے، مجھے بھی کالج جانا ہے۔" فائقہ نے تیزی سے جواب دیا، چہرے پر ناگواری نمایاں ہوئی۔

"تو جلدی اٹھ جایا کریں نا۔" حنا نے اتنا ہی کہا تھا کہ اسے بھائی آتا دکھائی دیا، اگلا جملہ اس نے دانتوں تلے دبا لیا تھا، کچھ ہی دیر بعد فائقہ کے ساس سسر بھی ناشتے کے لیے میز پر آ بیٹھے۔ بہو نے جلدی جلدی میز پر ناشتا لگایا۔ سب کے لیے ناشتا بنانا اور میز پر سجانا فائقہ کی ذمے داری تھی۔ چند ماہ قبل اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ گھر والوں کے ساتھ اس کی سہیلیاں بھی اسے ذہین، قابل اور سمجھ دار گردانتی تھیں، ماسٹرز مکمل ہوتے ہی اسے ایک مشہور تعلیمی ادارے میں تدریس کی جگہ مل گئی۔

اسی دوران میں رشتے والی خالہ رشتہ لائی، پہلی ہی باری میں لڑکے کی ماں بہن نے اسے پسند کر لیا۔ فائقہ کے والدین کو بھی بیٹی کا فرض ادا کرنے کی خوب جلدی تھی۔

"دیکھو بیٹی! رشتہ اچھا ہے۔ چھوٹی سی پڑھی لکھی فیملی ہے۔ گھر چھوٹا ہے مگر ذاتی ہے۔ لڑکا بھی پڑھا لکھا اور برسر روزگار ہے۔ اکلوتی چھوٹی بہن ابھی پڑھ رہی ہے۔ دو تین برس میں اس کی شادی ہو جائے گی، نہ لمبی چوڑی ذمے داریاں اور نہ جھنجھٹ!" یوں جھٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ ہفتہ بھر کی چھٹی کے بعد کالج شروع ہو گیا تھا اور گھر کے کام کاج بھی۔۔۔ کالج جانے سے پہلے سب کے لیے ناشتا بنانا اور واپس آکر رات کے کھانے کے لیے سالن بنانا، فائقہ کی ذمے داری تھی۔ کچھ ہی عرصے میں فائقہ کو سسرال کی ذمے داری بہت بھاری لگنے لگی تھی۔ ویسے برتن دھونے اور جھاڑو پونچھے کے لیے ماسی آتی تھی اور کپڑے سب اپنے خود ہی دھوتے تھے۔

◆◆◆

"کیا ہوا، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اسے سر پکڑے دیکھ کر مدیحہ نے پوچھا۔ وہ فائقہ کی کولیگ تھی، لنچ کے لیے دونوں کالج کی کینٹین میں موجود تھیں۔

"بس یار کیا بتاؤں۔۔۔ شادی نہ ہوئی اک مصیبت ہو گئی، کہا بھی تھا امی کو ابھی شادی نہیں کرنی۔" فائقہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"ایسا کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہارے شوہر اور سسرال والوں کا رویہ تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں ہے؟" مدیحہ نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

"بظاہر تو کوئی مسئلہ نہیں، شوہر کا رویہ اچھا ہے اور ساس سسر کا بھی، مگر مجھے اپنی نند کا رویہ پسند نہیں، وہ۔۔۔" فائقہ بتا رہی تھی، مدیحہ چپ چاپ سنتی رہی، اس کی لمبی بات ختم ہوئی تو مدیحہ بولی: "یار! ہر گھر کی الگ کہانی اور مسئلے مسائل ہیں، مسئلہ رشتوں کا نہیں رویوں کا ہے، کہیں سسرال والوں کا مزاج اور رویے درست نہیں تو کہیں بہو نے تنگی کا ناچ نچا رکھا ہے، تمہیں سوچ سمجھ کر اس مسئلے کا حل نکالنا ہوگا۔ تم ایسا کرنا کہ۔۔۔" مدیحہ اسے سمجھانے لگی اور فائقہ خاموشی سے سنتی رہی۔

◆◆◆

رات کے کھانے کے بعد چند دنوں کے لیے شوہر فائقہ کو اس کی امی کی طرف چھوڑ آیا تھا۔ اگلے روز چھٹی تھی، دیر سے وہ سو کر اٹھی تو ناشتا بنا کر امی میز پر رکھ چکی تھیں۔

"اللہ! کتنا اچھا لگتا ہے نا، اگر صبح اٹھتے ہی پکا پکایا ملے۔ گھر کے کام نہ کرنے پڑیں۔" فائقہ نے کہا تو امی بولیں: "تمہیں خوشی اس لیے ہو رہی ہے کہ تمہیں ہمیشہ میکے میں پکا پکایا ملا ہے۔"

"گھر کی بیٹی کو اپنے میکے کے یہ ہی چھوٹے چھوٹے سکھ تو پسند ہیں۔" فائقہ نے پراٹھے کا نوالہ بناتے ہوئے مزے سے کہا۔

"حنا بھی تو اس گھر کی بیٹی ہے۔" امی نے سرسری انداز میں کہا تو وہ چونکی۔

"امی! مجھے اس سے کوئی بیر نہیں ہے، مگر اس کا رویہ مجھے تکلیف دیتا ہے، میں آخر اس گھر کی بہو ہوں ملازمہ تو نہیں۔"

"اچھا خیر! اس بارے میں بعد میں بات کریں گے، ابھی تم ناشتا کرو، دوپہر میں تمہارے لیے مٹن کڑاہی بناؤں گی، مجھے پتا ہے میری بیٹی نوکری کرتی ہے، ڈھنگ سے دوپہر کا کھانا کہاں نصیب ہوتا ہوگا۔" امی کی بات سن کر وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

◆◆◆

میکے میں گزارے چند دنوں نے فائقہ کی تھکاوٹ مکمل طور پر دور کر دی تھی۔ ذہن ہشاش بشاش ہوا تو دل پر چھائی یاسیت بھی دور ہوتی گئی۔ اس روز شام میں جمیل اسے لینے آیا تو چپ چاپ سا تھا۔ سسرال آئی تو گھر والوں کے تیور بھی کچھ بدلے سے لگے، نہ ساس نے ہنس

کر بلایا نہ نند نے، اک سسر ہی تھے جنھوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے سر پر دستِ شفقت دھرا تھا۔

امی نے جمیل کو اشارہ کیا تو وہ بولا: ”رات کا کھانا جلدی تیار کر لو۔“ اس سے پہلے کہ وہ اپنے کمرے کا رُخ کرتی، اسے حکم سننے کو ملا۔

”کیا مطلب؟“ اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔

”مطلب یہ کہ بھابی کہ رات کا کھانا آپ نے بنانا ہے، ایسا کریں بریانی بنالیں، بہت دل چاہ رہا ہے۔“ حنا نے جھٹ سے کہا۔

بریانی کھانے کو تو میرا بھی دل چاہ رہا ہے، ایسا کرو آج تم بناؤ بریانی، اکلوتی بھابھی ہوں، کچھ دن بعد گھر آئی ہوں، تمھیں کوئی چاؤ ہی نہیں؟ اور تو اور میں کالج سے تھکی آئی ہوں، الٹا تم مجھے ہی حکم دے رہی ہو۔

فائقہ نے نرم لہجے میں کہا تو ایک پل کے لیے سبھی گڑبڑا گئے۔ حنا کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ بھابی کی غیر موجودگی میں اس نے ماں کا ذہن اچھے سے صاف کیا تھا کہ بھابی کو کھینچ کر رکھیں، اگر کما کر لاتی ہے تو ہم پر احسان نہیں کر رہی۔

”فائقہ بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہے، جاؤ۔“ ابو بولے تو فائقہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تھینک یو ابو، حنا! پلیز مجھے ایک کپ چائے بھی بنا دو، میں نے تو تمہارے ہاتھ کی چائے اور امی کے ہاتھ کے پراٹھوں کی بہت تعریف سنی ہے۔“

”ہاں، جاؤ! بھابی کے لیے چائے بناؤ، پھر بریانی چڑھا دو۔“ امی نے کہا تو مسکراتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

”کل ناشتے میں آپ کے ہاتھ کے پراٹھے کھائیں گے۔“ تھوڑی ہی دیر میں تناؤ والا ماحول بدل چکا تھا۔ کمرے میں آتے ہی فائقہ نے اپنے شوہر سے کہا: ”مجھے نہیں معلوم کہ میری غیر موجودگی میں میرے بارے کیا کیا باتیں ہوئیں اور کس نے کیں، لیکن کم از کم مجھے آپ سے تو یہ اُمید رکھنی چاہیے کہ اگر کوئی خلافِ طبیعت بات ہو تو آپ کھل کر مجھ سے کہہ دیا کریں، ناراضی چہرے پر سجا لینا اچھا نہیں لگتا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے تو پھر ویسی کوئی بات ہو گی؟“ فائقہ نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ جمیل بے ساختہ مسکرا دیا۔

”دیکھو بیگم! لڑکیاں نوکریاں کرتی ہیں اور گھر بھی اچھے سے سنبھالتی ہیں۔ تم امی، ابو، حنا کا خیال رکھا کرو، میں چاہتا ہوں کہ گھر میں کسی کو کوئی شکایت نہ ہو۔“

”ضرور! یہ میری بھی فیملی ہے۔ اس فیملی کا اہم حصہ میں بھی ہوں۔ آپ سب کو میرا احساس وخیال بھی کرنا چاہیے، اگر آپ کو لگتا ہے کہ نوکری آڑے آ رہی ہے تو پھر میں نوکری۔۔۔“ فائقہ نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

”نن نہیں! اس کی ضرورت نہیں، تم اپنی جگہ ٹھیک ہو۔“ جمیل تیزی سے بولا اور کپڑے نکالنے کے لیے الماری کی طرف بڑھ گیا۔

آج اس نے ماں سے ملے پہلے سبق کا عملی مظاہرہ کیا تھا۔

”چاہے کچھ بھی ہو، سمجھ دار اور پڑھی لکھی ہونے کا مظاہرہ کرنا، شوہر کے کانوں میں اس کے والدین اور بہن کے متعلق کبھی کوئی منفی جملہ نہ ڈالنا اور ہاں! آج کے بعد سسرال والوں کی شکایت میکے میں نہ کرنا، میں ان ماؤں میں سے نہیں جو بیٹی کو الٹی پٹیاں پڑھائے۔“ ممی کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

دن گزرتے رہے اور وہ کوشش کرتی رہی کہ گھر کا ماحول اور رویہ درست رکھنے میں وہ اپنا کردار ادا کر سکے۔

”تم جان بوجھ کر جو کانٹے میری راہ میں بچھا رہی ہو، وہی تمہارے راستے میں آئیں تو تم کیا کرو گی؟“ حنا ٹیرس پر کھڑی اپنی دوست سے فون پر بات کر رہی تھی، جب فائقہ نے اسے مخاطب کیا۔ وہ ہڑبڑا کر پلٹی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا بھابی؟“ انداز ذرا تیکھا سا تھا۔

”مطلب کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، میں تمہیں اپنی چھوٹی بہن سمجھتی ہوں اور چاہتی ہوں تم بھی مجھے بڑی بہن کا درجہ دو اور ایک بات پہ سوچنے کی دعوت ہے کہ کل کلاں تمہاری شادی ہو گی اور کون جانے کہ تمہاری کتنی نندیں ہوں اور کس کس مزاج کی۔ دیکھو حنا! غلط پٹیاں پڑھانے، گھر کا سکون اور امن برباد کرنے کی ترغیب دینے والے کبھی اچھے دوست نہیں ہو سکتے۔ گھر اور گھر والوں سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا، گھر بسانے کے لیے ہم سب کو ایک دوسرے سے اپنا رویہ اچھا رکھنا چاہیے۔“ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فائقہ نے پیار سے سمجھایا۔ حنا خاموش تھی، مگر اس کے چہرے پر پھیلتے ندامت کے سائے فائقہ دیکھ چکی تھی۔ دونوں کے بیچ مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

آنے والے دنوں میں کچھ خوش گوار تبدیلیاں سب نے ایک دوسرے کے رویے میں محسوس کیں۔ اس ماہ کی تنخواہ سے فائقہ نے امی اور حنا کے لیے جوڑے اور ابو کے لیے واسکٹ خریدی تھی۔ حنا کا نہ صرف بات کرنے کا انداز بدل گیا بلکہ وہ گھر کے کام کاج میں بھابی کا ہاتھ بھی خوش دلی سے بٹانے لگی۔ ناشتا بنانا اگر فائقہ کی ذمہ داری تھی تو شام کی چائے بنانا حنا کی ذمہ داری بن گئی۔ فائقہ نے کھلے دل سے اعتراف کیا تھا کہ حنا اس سے زیادہ اچھی چائے بناتی ہے اور ہاں امی بھی کبھی کبھار اپنے ہاتھ سے بخوشی پراٹھے بنا کر دینے لگی تھیں۔

گھر کا ماحول خوش گوار رہنے کی بدولت جمیل بھی مطمئن تھا۔ رشتوں میں عدل وانصاف رکھنا ذرا مشکل ہے، مگر ناممکن نہیں، وہ سمجھ گیا تھا۔

صرف رویے بدلنے سے کتنا کچھ اچھا ان کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ فائقہ دل ہی دل مدیحہ کی شکر گزار تھی۔

”رشتوں کی ڈور الجھنے سے پہلے ہی پیار سے سلجھا لینی چاہیے، گرہیں جتنی بڑھیں گی اتنے ہی مسائل طاقت ور ہوں گے۔ بات کرنے سے ہی بات بنتی ہے، دل میں کدورت پالنے سے بہتر ہے کہ جس سے مسئلہ ہے اسی سے بات کی جائے۔“ اس روز کینٹین میں مدیحہ نے اسے سمجھایا تھا۔ رفتہ رفتہ فائقہ سمجھ گئی کہ ہر انسان کی الگ فطرت اور عادت ہے، جسے سمجھنے کے لیے صبر و تحمل سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔

آج چھٹی کا دن تھا اور دونوں نند بھابی کچن میں کچھ خاص بنانے میں مصروف تھیں۔

”لیڈیز! آج رات کا کھانا ہم سب باہر کھائیں گے۔“ جمیل نے باورچی خانے کے دروازے سے جھانکتے ہوئے بتایا تو دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔

لاؤنج میں بیٹھے امی، ابو اور جمیل کے کانوں میں کچھ دیر بعد دونوں لڑکیوں کے قہقہوں کی آوازیں پڑیں۔ ابو اور جمیل کوئی بات کر رہے تھے، امی کی آنکھوں میں شکر گزاری کے آنسو آ گئے۔

”اے اللہ! میرا گھر انا یونہی ہنستا بستا اور آباد رہے۔“ ان کے دل سے بے ساختہ دعا نکلی تھی۔

بھٹکا مسافر

لائبہ عبدالستار

وہ ایک بدلتے موسموں سے لطف اندوز ہونے والا شوخ مزاج مسافر تھا۔

آیئے! اسی کی زبانی بدلتے موسموں کی داستان سنتے ہیں:

"میں اس دنیا کا مسافر ہوں، مجھ میں سفر کے دوران ہر چیز کو بڑے غور سے نظر میں سمانے کا گہرا ہنر ہے۔ میں نے بدلتے موسموں کا بڑی گہرائی سے معاینہ کیا ہے۔"

"مجھے بڑی حیرت ہوئی جب میں نے ایک ہی چھت کے دو حصے ہوتے دیکھے کہ جب چھت کے آدھے حصے کو بارش کے یخ بستہ موتیوں نے ڈھانپ کر سرد کر دیا اور دوسرے حصے کو آفتاب کی گرم مزاج کرنوں نے گرم کر دیا۔"

"مجھے حیرت ہوئی کہ جب میں اے سی کی ٹھنڈک سے باہر نکلا تو دھوپ کی سختی نے میرے گال پر طمانچہ رسید کیا اور دوسرے ہی لمحے ایسی آندھی چل پڑی کہ میرے وجود پر ٹکی چادر کو سرد ہوا نے خوب اڑا اڑا کر مدہوش کر دیا۔"

"میرے خیال نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ قمر کی آمد محض رات تک محدود ہے، مگر اک روز میں نے دن کے وقت میں چاند کو سورج کے مقابل دیکھا تو مجھے اپنا نظریہ ترک کرنا پڑا۔"

"میں نے سوچا تھا کہ یہ دن کبھی سیاہ نہیں پڑ سکتا، یہ شمس کبھی کم زور نہیں پڑ سکتا، مگر گرہن پڑتے سورج نے دن کو رات میں بدل کر میری سوچ کے زاویے بدل ڈالے۔"

"مگر اس بات پر تو مجھے یقین تھا کہ شب کبھی دن کی مانند روشن نہیں ہو سکتی، شب ہمیشہ تاریکی و ظلمت سے ڈھکی رہتی ہے، مگر رات کے نصف پہر مدھم مدھم برستی بوندوں میں بجلی کی شدید کڑک نے پوری آب و تاب سے چمک کر میرے گھر کو ایسا روشن کیا کہ پانی میں سیاہ چیونٹیوں کی لاشیں مجھے بخوبی دکھائی دینے لگیں اور پھر میرا یہ یقین پاش پاش ہو گیا کہ رات کبھی روشن نہیں ہو سکتی۔"

"میں نے دیکھا ہے عصر کے بعد کا تاریکی میں ڈوبتا ہوا موسم اور پھر مغرب کے وقت کی گہری سرخی۔۔۔ مجھے لگا تھا کہ آسمان محض نیلا ہے، مگر آسمان نے نت نئے رنگ دکھا کر مجھے حیران کر دیا، جب میں نے آسمان کو دیکھا تو ایسا گمان ہوا جیسے ہلکے نیلے پانی میں تیز جامنی موجیں اور ان کے اوپر سرخی و پیلا پن جو ایک الگ ہی رنگ میں ڈھل کر سمندر میں ڈوبتے سورج کی مانند تھے۔"

"میں نے دیکھا ہے ایسا سمندر جہاں چاروں طرف پانی تھا، خشکی کا کہیں کوئی گمان تک نہ تھا، مگر میں حیران رہ گیا جب میری کشتی چلتے چلتے اک چھوٹے سے خشک جزیرے پر پہنچی، جہاں سمندر کی بلند موجیں داخل ہونے سے لرزاں تھیں، چلو! یہ تو مختلف الجنس تھیں، اس سے بھی زیادہ میں حیرت کے سمندر میں تب غوطہ زن ہوا، جب میری کشتی دو حصوں کے پانی میں بٹ چکی تھی، دونوں طرف کے پانیوں کا رنگ مختلف، ذائقہ مختلف اور خوب صورتی بھی مختلف۔۔۔ سبحان اللہ!"

کیا کہنے اس خالق کے جس نے بڑی خوب صورتی سے ان چیزوں کو تخلیق کیا۔۔۔

میں جب بھی اس کائنات کی خوب صورتی میں غور کرتا ہوں تو میری سوئی ایک ہی جگہ جا کر اٹکتی ہے اور زبان سے بے اختیار جاری ہوتا ہے

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر: 24)

میرا اس خوب صورتی کو اپنی نظروں میں سمانا مجھے میرے مدار میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے اور زبان کہتی ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحۃ: 4)

مجھے ہر مختلف چیز سے ایک ہی صدا آتی ہے، تمام چیزیں ایک ہی نام کا ذکر کرتے دکھائی دیتی ہیں تو میری زبان بھی بے اختیار اس کے نام کا مراقبہ کرتی ہے: "اللہ اللہ اللہ"

ان سب مناظر میں ایک ہی عکس دکھائی دیتا ہے، جو اس خوب صورتی میں کشش پیدا کر کے مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے اور میں مزید اس کا گرویدہ ہوتا چلا جاتا ہوں۔

ہاں! یہ اس کائنات میں غور و فکر کرنا مجھے میرے رب سے قریب کرتا ہے۔ مجھے نکھارتا ہے، سنوارتا ہے، مجھے غور و فکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مجھے بہت کچھ سکھاتا ہے، میرے عقل کے گھوڑے دوڑانے میں میری مدد کرتا ہے۔

یہ سب چیزیں میری رہنمائی کرتی ہیں، مگر آپ حیران ہوں گے کہ میں پھر بھی ایک بھٹکا ہوا مسافر ہوں، مجھے ہدایت مل تو رہی ہے، مگر میں اسے لے نہیں پاتا، بسا اوقات میں اسے دیکھ نہیں پاتا، جس کا سبب شاید یہ ہے کہ میں بھول بیٹھتا ہوں کہ میں ایک مسافر ہوں۔

قرآن میں موجود مضامین مجھے غور و فکر کرنے پر مجبور بھی کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ رب العزت نے مثالوں کے ذریعے انسان کو تفصیلاً سمجھایا ہے، تاکہ وہ اس مسافر خانہ میں، اس عالمِ ناسوت میں بھٹک نہ جائے۔ میں ہر ہر فرمان کو پڑھتا ہوں، مگر پھر بھی اثر سے کورا ہوں کہ میں اس دنیا کو ہی منزل سمجھ بیٹھا ہوں۔

میں نے اس فرمانِ باری تعالیٰ کو بھی پڑھا کہ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ (الانعام: 150)

"آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے۔"

تب بھی میں نے غور و فکر نہ کیا۔

پھر میں نے اس کے اس فرمان کو بھی پڑھا، وہ اپنے نور کی مثال دے کر بھی سمجھا رہا تھا کہ:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ (النور: 35)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔۔۔

کائنات میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو، جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑک پڑتا ہو، چاہے آگ اس کو نہ لگے۔ اس طرح روشنی پر روشنی بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔!!

میں ہدایت مانگتا ہوں، جبکہ ہدایت تو مجھے ہر طرف سے مل رہی ہے، ہر چیز ربِّ کریم کی طرف رہنمائی کرتی نظر آتی ہے، بس میں اس ہدایت کو لے نہیں رہا۔ میں قرآن تو پڑھتا ہوں، مگر اس میں غور و فکر نہیں کرتا کہ وہ قرآن مجھے کچھ کہنا چاہتا ہے، کچھ بتانا چاہتا ہے، میری رہنمائی کرنا چاہتا ہے، مگر میں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر، صراطِ مستقیم پا کر بھی صراطِ مستقیم کا طلب گار ہوں۔

راستہ میرے سامنے ہے، مگر میں اسے دیکھ نہیں پا رہا یا شاید اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتا کہ اگر چاہت ہوتی، جستجو ہوتی تو یہ مسافر بھٹکتا نہ پھرتا، بلکہ اپنی منزل تک پہنچنے کا درست راستہ جو اس کا منتظر ہے، اسی پر گامزن ہوتا۔

آہ۔۔۔!!!

اِدراک

ماہم احسن

"ہائے رمشہ کس قدر گرمی ہے نا" مومنہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یار! گرمی کے مارے تو میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔" رمشہ نے بھی دہائی دی۔

اے سی کی ٹھنڈی ٹھنڈی کولنگ سے ان کا دماغ ٹھکانے آیا تو وہ اپنی شاپنگ دیکھنے لگیں، جو انھوں نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے کی تھی۔

"یہ والا بلاؤز میں نے غلط لے لیا، دیکھو ذرا۔" مومنہ نے بلاؤز کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا۔

"مجھے بھی اب یہ کرتی اتنی اچھی نہیں لگ رہی، جتنی اسٹور پر اچھی لگ رہی تھی۔" رمشہ نے بھی منہ بنا کر کہا۔

ابھی وہ دونوں باتیں کر ہی رہیں تھیں کہ اتنی دیر میں گاڑی ایک سگنل پر رُکی اور ایک فقیرنی نے گاڑی کا شیشہ کھٹکھٹایا۔ مومنہ اور رمشہ نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ وہ پھٹے ہوئے کپڑے پہنی ہوئی تھی۔ اس کی للچائی ہوئی نظریں گاڑی میں رکھے ہوئے شاپنگ بیگ پر تھیں۔ رمشہ نے جلدی سے کچھ پیسے نکال کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔ فقیرنی نے جلدی سے پیسے جھپٹ لیے۔

"پیسے دے دیے تو اب شیشہ بند کرو، ساری کولنگ باہر جا رہی ہے۔" مومنہ اُکتائے ہوئے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔

رمشہ شیشہ بند کرنے لگی تو فقیرنی اور پیسے مانگنے لگی۔ رمشہ نے گھبرا کر جلدی سے شیشہ بند کر دیا۔ شیشہ بند ہونے کے باوجود وہ وہیں کھڑی رہی۔ اتنے میں سگنل کھل گیا اور ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ دراصل دونوں عید کی شاپنگ کے لیے دکانوں کے چکر لگا رہی تھیں۔ رمشہ اور مومنہ دونوں بہنیں تھیں۔ رمشہ گیارہویں جماعت جب کہ مومنہ بارہویں جماعت کی طالبہ تھی۔ رمشہ کی طبیعت میں رحم دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا اعتدال میں ہونا ضروری ہے، اسی طرح اگر رحم دلی ہے تو وہ بھی اعتدال میں ہونی چاہیے۔ رمشہ جہاں کسی فقیر کو دیکھتی جلدی سے پیسے نکال کر دے دیتی۔ رمشہ کی امی اور مومنہ کو رمشہ کی یہ عادت بہت ناگوار گزرتی۔ امی اس کو سمجھاتیں کہ اگر کسی فقیر کی مدد کرنی ہے تو اس کو یوں پیسے نہ دو، بلکہ اس کی انھی پیسوں سے کچھ اس طرح مدد کرو کہ اس کو دوبارہ پیسے نہ مانگنے پڑیں۔ زیادہ تر مومنہ اور رمشہ ہی بازار جانے کے کام کرتی تھیں۔ چاہے گھر کا سودا سلف لانا ہو یا شاپنگ کرنی ہو دونوں ہی جاتی تھیں۔ مومنہ، رمشہ کی اس عادت سے بہت چڑتی تھی۔ اس لیے گھر آتے ہی اس نے امی کو ساری بات بتا دی۔

"رمشہ بیٹا! تم جو اتنے پیسے ان فقیروں کو دے دیتی ہو، اس سے ان کے مانگنے کی عادت اور پختہ ہو جاتی ہے۔" امی نے رسان سے سمجھایا۔

"امی میں نے تو نیک کام کیا ہے۔" رمشہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

"رمشہ! تم نے دیکھا نہیں تھا، آج جس فقیرنی کو تم نے پیسے دیے تھے، وہ پیسے لینے کے بعد بھی وہیں کھڑی رہی۔ تم جیسے لوگ ہی فقیروں کو مانگنے کا عادی بناتے ہو۔" مومنہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

رمشہ چپ رہی، اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جب اس نے فقیرنی کو پیسے دیے تب بھی وہ وہاں کیوں کھڑی رہی؟

"کہیں میں ہی غلط تو نہیں ہوں؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

رمشہ کو سوچ میں مگن دیکھ کر امی نے محسوس کیا کہ لوہا گرم ہے اور چوٹ لگانے کی دیر ہے۔

"راہ چلتے فقیروں کو تھوڑے تھوڑے پیسے دینے کے بجائے اس طرح ان کی مدد کرنی چاہیے کہ وہ اپنی مدد آپ کے تحت زندگی گزار سکیں اور ان کو کسی سے مانگنا نہ پڑے۔"

امی ابھی رمشہ کو اور سمجھانا چاہتی تھیں کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور بات ادھوری رہ گئی۔

اگلی صبح رمشہ کے کالج کی چھٹی تھی۔ وہ صبح سویرے ہی اُٹھ گئی۔ وہ کچن میں امی کی مدد کروا رہی تھی کہ اچانک داخلی دروازے کی گھنٹی بجی۔

"جاؤ رمشہ! جلدی سے گیٹ کھول دو، ماسی آئی ہو گی۔" امی نے مصروف سے انداز میں رمشہ سے کہا۔ رمشہ گیٹ کھولنے چلی گئی۔ اس نے گیٹ کھولا تو نہ صرف ماسی بلکہ اس کی بیٹی بھی آئی تھی۔

"باجی! یہ میری بیٹی ہے۔ اس کو کہیں کام پر لگوا دو، آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔" ماسی لجاجت سے بولی۔

"ماسی! تم اس کو اسکول کیوں نہیں بھیجتی؟" امی نے ماسی سے پوچھا۔

"باجی! اسکولوں کی فیس تو بہت زیادہ ہوتی ہے، میں فیس کے پیسے کہاں سے لاؤں؟" ماسی حسرت سے بولی۔

"تم اگر راضی ہو تو میں اس کی فیس دے دوں گی۔ بس باقاعدگی سے اسکول بھیجنا۔"

"باجی! آپ کا بہت بہت شکریہ، اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔" ماسی خوشی سے بولی اور کام میں مصروف ہو گئی۔ رمشہ ایک طرف بیٹھی ساری باتیں سن رہی تھی۔ امی نے اس کو غور سے دیکھا اور رمشہ نے سر ہلا دیا، جیسے امی کا پیغام سمجھ گئی ہو۔

گر ہو سکے تو دعا کریں!!

میری شدّتوں کو خدا ملے!!

فقط: اک مسافر۔۔۔!!

آیئے! ہم بھی تدبّر کریں، ہم کس راستے پر ہیں؟ کیا ہم درست راستے پر ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نظر بندی کے مرض میں مبتلا ہوں؟ بینائی کے باوجود نابینا ہوں؟ رہنمائی موجود ہونے باوجود اسے دیکھ نہ پا رہے ہوں؟ اور ساری زندگی اسے تلاشنے میں ہی صرف کر دیں، غور کریں اس سے پہلے کہ زندگی کی شام ہو جائے، اس پہلے کہ یہ سورج ہمیشہ کے لیے سمندر میں ڈوب جائے۔

جیسے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ص:29) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، یہ بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

ہمیں اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہیے۔ برف کی تیزی سے پگھلتی ہوئی زندگی میں اپنی حقیقی زیست کے لیے کچھ کر جائیں، ہم اس مسافر کی طرح نہ بنیں جو سب جان کر بھی انجان رہا، باخبر ہو کر بھی بے خبر رہا۔ صرف منزل کی پہچان ہی ضروری نہیں، بلکہ پہچان پر وہاں تک پہنچنے کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے، لہٰذا ہر پل ہر قدم کامیاب خرمن ہستی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

”حد ہو گئی، یعنی ایک عدد گھر والی لانے کے باوجود گھر کے کام ہمیں سے کروائے جا رہے ہیں۔“

کچن میں موجود ہاتھ میں چھری تھامے سبزیوں سے نبرد آزما حذیفہ کی دہائیاں جاری تھیں۔ ”میں آج سے کچن کے امور کو طلاق دیتا ہوں۔ میں اب کبھی کچن کے کام نہیں کروں گا۔“ اس نے کیبنٹ سے کچھ تلاشتی رابعہ کی جانب دیکھا کوئی رِدّ عمل نہ پا کر اسے مایوسی ہوئی۔ ”کچھ سنا تم نے اے کچن! میں تمھیں طلاق دیتا ہوں، طلاق۔“ اس نے بظاہر کچن کو پکارا، مگر حقیقتاً باآواز بلند اسے سنایا۔ اس کے یہ الفاظ کچن کے سامنے سے گزرتی امّ ہانی کے کانوں میں پڑے تو وہ لرز کر رہ گئی اور دہلتے دل کے ساتھ یہ خبر سنانے نیچے کا رُخ کیا۔ رابعہ کی مطلوبہ چیز مل گئی تھی، اسے چھری رکھ کر ہاتھ جھاڑتے کھڑا ہوتا دیکھ مسکرا کر بولی: ”کہاں چل دیے جناب! طلاق کی عدّت بھی ہوتی ہے، سو آج کا کام تو نمٹانا ہی پڑے گا۔“ اس کے لہجے میں چھپی شرارت پہچان کر وہ جھنجھلا کر رہ گیا۔ اس کی چال اسی پر الٹی پڑ گئی تھی۔ وہ تو رابعہ کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھا، الٹا ر رابعہ کو ہی اسے تنگ کرنے کا موقع مل گیا۔

”بھابھی! کیا میکے جا رہی ہیں؟ میں نے تیاری کرتے دیکھا ہے انھیں۔“ عروہ اپنی رو میں بولتی اندر داخل ہوئی تو حاضرینِ کمرہ کے تاثرات نے اسے چونکا دیا۔ امّ ہانی دونوں ہاتھ منہ

طلاق

انیسہ عائش

پر رکھے سسک رہی تھی، جبکہ امی پر سکتہ طاری تھا اور دادی جان زبان کے جوہر دکھانے میں مصروف تھیں۔ اس نے باری باری تینوں نفوس کو دیکھا، پھر کچھ نہ سمجھ آنے پر دادی کے الفاظ پر دھیان جمایا: ”اے بی! خاندان بھرنے باتیں بنائیں، خوب روکا پر ہماری بہو پر تو منے میاں کا سہرا سجانے کا بھوت سوار تھا۔ آج تک خاندان میں کسی کے اتنی سی عمر میں شادی نہیں ہوئی۔ میں نے بھی بہیترا کہا کہ شادی کوئی گڈا گڈی کا کھیل نہیں ہے، پر بہورانی پر تو ایک ہی دھن سوار تھی کہ شریعت کے مطابق عاقل بالغ ہو گیا ہے اور شریعت جلد نکاح کا حکم دیتی ہے، اے میں پوچھتی ہوں کہاں گئی اب عاقل بالغ کی عقل! ایک ہا۔۔۔ خاندان میں آج تک کسی نے ایسا کام نہیں کیا، کتنی تھو تھو ہو گی ہماری۔۔۔ ایسا قبیح کام کے عرش بھی کانپ جائے، کس کس کی زباں پکڑیں گے، سب کہیں گے ایسا تو ہونا ہی تھا۔“ دادی اماں کی دہائیاں عروج پر تھیں اور صبیحہ بیگم کے ذہن میں ماضی کی فلم سی چل رہی تھی، جس میں آپائیں، بھائی، نندیں انھیں دلائل دیتے نظر آ رہے تھے۔ ”یہ ذمے داری والا کام ہے، حذیفہ ابھی چھوٹا ہے۔ شادی تو سمجھ داری کی عمر میں کرنی چاہیے، تاکہ نو عمری کا جوش ختم ہو کر تدبر اور شعور اپنی جگہ بنالیں۔“ وہ تو صرف خاندان میں رائج بڑھتی عمر کے لڑکے، لڑکیوں کی شادی کرنے کی غلط رسم کو توڑنا چاہتی تھیں، مگر اچانک ہی منظر بدلا! اب ان کے سامنے اک نئی فلم چلنے لگی، جس میں انھیں اپنا آپ شرمسار سب کو وضاحت دیتا

دکھائی دیا۔ لوگوں کے طنزیہ جملے، تمسخر آمیز نگاہوں کا سامنا کرتی نادم سی منہ چھپاتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ جھرجھری لے کر رہ گئیں، ان کا سکتہ ٹوٹا، السلام علیکم دادی جان! دروازہ کھول کر اندر آتے حذیفہ کی آواز نے جہاں باقیوں کو متوجہ کیا وہاں ہی صبیحہ بیگم کے اندر شرارے سے بھر دیے۔ وہ اس کی طرف تیزی سے لپکیں۔ اس کو کاندھوں سے تھام کر زوردار آواز میں پوچھا: ”کیا تم نے طلاق کا لفظ بولا ہے؟“ جی! اس نے نا سمجھی سے اثبات میں جواب دیا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ ان کا ہاتھ بلند ہوا اور اس کا گال سرخ کر گیا۔ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ میں تو تمھیں اپنا فخر مانتی تھی اور ڈھٹائی دیکھو میرے سامنے تن کر کہتے ہو، ہاں! صدمے اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت سے ان کی آواز پھٹ سی گئی۔ کیوں کیا تم نے ایسا حذیفہ؟ وہ نڈھال سر تھامے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئیں۔ عروہ کو یہ سب کھٹکا، اس کی چھٹی حس اسے کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی: ”امی جان، پلیز! پہلے بھائی سے پوچھ تو لیجیے ہوا کیا ہے؟“

”اب پوچھنے کو بچا ہی کیا ہے میری بچی! یا مولا! یہ رسوائی کا دن دیکھنا بھی میرے نصیب میں تھا۔ ہائے ہائے۔۔۔“ جواب دادی جان کی طرف سے آیا تھا، اس کی نظروں میں ربیعہ کا چہرہ ابھرا، اس کے چہرے کے تاثرات تو کہیں سے بھی کسی قیامت کے گزر جانے کا پتا نہیں دے رہے تھے۔ اس نے بے آواز قدموں سے داخل ہوتی لوازمات کی ٹرے تھامے اندر داخل ہو کر سب کو حیران نظروں سے دیکھتی رابعہ کو جالیا۔ ”بھابھی! کیا یہ سچ ہے کہ بھائی جان نے آپ کو طلاق دی ہے۔“ اس بار صدمے میں مبتلا حذیفہ کو سارا ماجرا سمجھ میں آیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد رابعہ کی زبانی سارا قصہ سننے کے

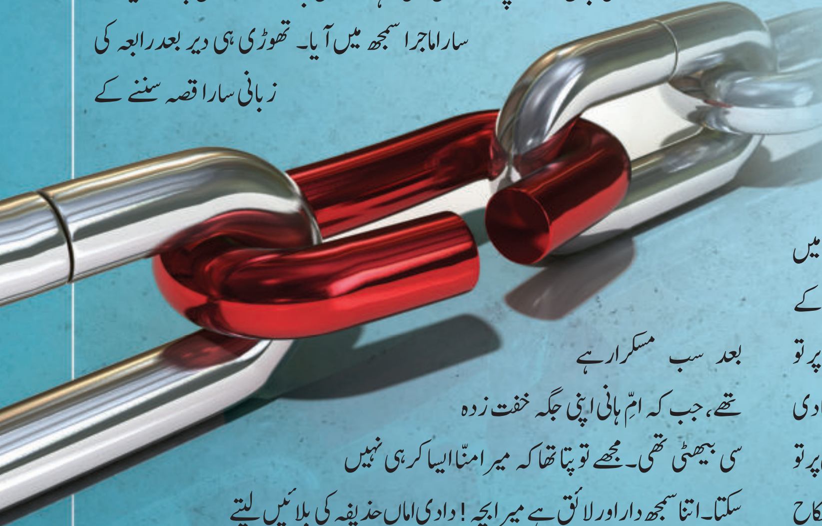

بعد سب مسکرا رہے تھے، جب کہ امّ ہانی اپنی جگہ خفت زدہ سی بیٹھی تھی۔ مجھے تو پتا تھا کہ میرا منّا ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ اتنا سمجھ دار اور لائق ہے میرا بچہ! دادی اماں حذیفہ کی بلائیں لیتے ہوئے بولیں تو عروہ ان کے یوٹرن لینے پر اش اش کر اٹھی۔

”اماں آپ نے ایسا زوردار طمانچہ مارا کہ میرا گال ابھی تک جل رہا ہے۔“ حذیفہ منہ بسورتے لاڈ سے ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولا۔

بیٹا! یہ تمہارے اول فول بکنے کی سزا ملی ہے تمھیں، مزاح گوئی، خوش مزاجی اپنی جگہ، مگر مذاق میں بھی الفاظ کے چناؤ کا خیال رکھنا چاہیے۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ مومن فضول گو نہیں ہوتا۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھنا میرے بیٹے! تاعمر یاد رکھوں گا، امی جان! جھوٹ موٹ میں سزا کا یہ حال ہے تو حقیقت میں کیا حال ہو گا میرا، نہ بھئی نہ ہم تو باز آئے۔ حذیفہ نے شرارتی لہجے میں کہا تو محفل کشتِ زعفران ہو گئی اور صبیحہ بیگم کو اپنے اندر طمانیت اترتی محسوس ہوئی۔

چھپکلی اور چیونٹی

ام ایشاع

یہ اس وقت کی بات ہے جب موبائل فون کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ پی ٹی سی ایل بھی خال خال ہی کسی گھر میں لگا ہوتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے چاچی مہ لقا صبح صبح چاچا جی کے لیے ناشتا بنا رہی تھیں اور چاچا اپنے دفتر جانے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ چاچی نے انڈہ پراٹھا بنایا اور دستر خوان پہ لا رکھا۔ چائے کا تھرماس اور کپ بھی لے آئیں۔ دونوں نے بڑے سکون سے ناشتا کیا، پھر مزے لے لے کر چائے پی، کچھ دیر خاندانی معاملات پہ بات چیت بھی ہوتی رہی۔

چاچا کے دفتر جانے میں ابھی وقت تھا تو اخبار بینی کرنے لگے اور چاچی مہ لقا اٹھ کر برتن دھونے لگیں۔ ناشتے کے برتن ہی بھلا کتنے تھے! دو چار منٹ میں دھل گئے۔ آخر میں جب تھرماس دھونے کے لیے ڈھکن کھولا تو چاچی مہ لقا کے ہاتھوں کے طوطے، مینا، کبوتر، کوّے سب اڑ گئے اور ایک چیخ مار کے دور بھاگیں۔ دھڑکتے دل پر دونوں ہاتھ رکھے، بری طرح کپکپا رہی تھیں۔ چاچا جی بھاگ کر آئے۔۔۔ "اری نیک بخت کیا ہوا؟" چاچی نے تھرماس کی طرف اشارہ کر دیا۔ انھوں نے جھانک کر دیکھا تو تھرماس کے اندر ایک مردہ چھپکلی پڑی تھی۔

بس جی اب کیا تھا۔۔۔ وہ بھی سینے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے، بلکہ بستر پہ لمبے لیٹ گئے اور زندگی سے مایوس ہو کر بولے: "چل نیک بخت! اب مرنے کے لیے تیار ہو جا، نہ جانے کتنا زہر ہم دونوں کے اندر سرایت کر چکا ہے۔ بس اب تو کسی بھی لمحے موت کا فرشتہ آنے والا ہے۔ سنا ہے چھپکلی کی کھال بہت زہریلی ہوتی ہے، منٹوں میں آدمی کو قبر میں پہنچا دیتی ہے۔ بس لیٹ جا اور کلمہ پڑھتی رہ! شاید یہی ہمارے نصیب میں لکھا تھا۔"

چاچی دھواں دار رونے میں مصروف۔۔۔ "ہائے اللہ! میری کم بختی! یہ کیا ہو گیا۔ میں نے تو اچھا بھلا کل صبح تھرماس دھو کر رکھا تھا، یہ موئی چھپکلی اس میں کہاں سے گھس گئی؟"

چاچی یوں بین کرتی رہیں، جیسے پورا خاندان کسی سیلاب میں بہہ گیا ہو، پھر چاچا کے ہی کچھ حواس بحال ہوئے تو خیال آیا۔ "اری مہ لقا! چل ڈاکٹر کو تو دکھا آئیں پہلے، ہو سکتا ہے ہمارے بچنے کی کوئی سبیل نکل آئے۔" چاچی بھی فٹافٹ برقع پہن تیار ہو گئیں۔

صبح کے نو بجنے والے تھے۔ دونوں خراماں خراماں چلتے ہوئے کلینک تک پہنچے۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح معاینہ کیا، مگر سب کچھ نارمل تھا۔ ایک دو ٹیسٹ فوری طور پہ کروائے، وہ بھی ٹھیک نکلے۔ احتیاطاً انھیں کچھ دوائیں لکھ دیں اور تسلی دے کر گھر روانہ کر دیا کہ وہ کسی بھی قسم کی زہر خورانی سے پاک ہیں اور مزید بتایا کہ عام طور پر گھروں میں پائی جانے والی چھپکلیاں زہریلی نہیں ہوتیں، البتہ چھپکلیوں کی کچھ قسمیں زہریلی ضرور ہوتی ہیں، جو جنگل بیابانوں میں پائی جاتی ہیں۔

گھر پہنچ کر دونوں نے دوا لی اور چاچا نے چاچی سے پوچھا: "نیک بخت! یہ تو بتاؤ تھرماس میں چھپکلی آئی کیسے؟"

"میں کیا جانوں کیسے آئی؟ کل تو دھو کر رکھا تھا۔ صبح میں نے دیکھے بغیر ہی اس میں چائے انڈیل دی اور ڈھکن بند کر دیا، ہو سکتا ہے چھپکلی پہلے سے ہی تھرماس کے اندر موجود ہو اور گرم چائے ڈالنے سے مر گئی ہو۔"

"ہاں یہی ہو سکتا ہے، لیکن آیندہ خیال رکھنا نیک بخت! اس بار تو ہماری خوش نصیبی تھی کہ بچ گئے، لیکن ہر بار ایسا نہیں ہو گا۔ کھانے پینے کے برتن دھو کر اور دیکھ بھال کر استعمال کرنا ہمیشہ!" چاچی مہ لقا نے بھی کانوں کو ہاتھ لگائے کہ آیندہ کوئی برتن بغیر دھوئے اور بغیر دیکھے بھالے استعمال نہیں کریں گی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قریبی رشتے داروں میں پیش آیا۔ گھر والے سب سو رہے تھے۔ رات کے کسی پہر منجھلی بیٹی کو پیاس لگی۔ کولر کے پاس ہی گلاس رکھا تھا۔ پانی بھرا اور نیند کے خمار میں بغیر دیکھے ہی غٹاغٹ پی لیا۔ صبح سو کر اٹھی تو پورا جسم الرجی کا شکار ہو چکا تھا۔ آنکھیں اور ہونٹ تک سوجے ہوئے تھے۔ سب گھر والے پریشان یہ کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟ فوراً ہسپتال لے کر بھاگے۔ وہاں ڈاکٹروں نے بتایا کہ کوئی زہریلی چیز کھائی ہے، جس کا یہ ری ایکشن ہوا ہے۔ بہر حال! ابتدائی طبّی امداد دی اور دوائیں وغیرہ دے کر گھر واپس بھیج دیا۔

گھر والوں نے چھان بین کی تو پتا چلا رات کو بچی پانی پینے اٹھی تھی۔ اب جا کر دیکھا تو کولر کے پاس جو گلاس رکھا تھا، اس میں لا تعداد مری ہوئی چیونٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔ مزید تحقیق کرنے پہ پتا چلا کہ رات سوتے وقت کسی نے دودھ کا شربت اس گلاس میں پیا تھا اور پھر بغیر دھوئے ہی کولر کے پاس رکھ دیا۔ گلاس میں چینی کے دانے اب تک باقی تھے۔ میٹھی چیز پر چیونٹیوں نے ہلہ بول دیا اور سینکڑوں کی تعداد میں گلاس کے اندر جمع ہو گئیں۔ وہ بچی بھی نیند کے نشے میں ایسی مست تھی کہ کولر سے پانی بھرا اور دیکھے بغیر ہی گلاس منہ سے لگا لیا اور یہ بھی اندازہ نہ کر سکی کہ پانی کے ساتھ کتنی زہریلی چیونٹیاں پیٹ میں چلی گئیں اور جا کر تباہی مچا دی۔

اسی لیے ہمارے دین نے کھانے پینے کے بہت آداب سکھائے ہیں، جن میں ایک ادب یہ بھی ہے کہ پانی ہمیشہ دیکھ کر پیا جائے اور رکھے ہوئے برتن بھی دھو کر اور دیکھ بھال کر استعمال کیے جائیں، ورنہ کوئی بھی ناخوش گوار واقعہ پیش آ سکتا ہے۔

Z-J
NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
STATEMENT TOUCH TO YOUR
sophistication
NEWZAIBYJEWELLERS
S-11, YOUSUF GRAND SQUARE,
BLOCK 8, CLIFTON, KARACHI
021 35835455
021 35835488

ننھا ہمدرد

آخری حصہ

بنتِ مسعود احمد

لمبی سی پگڈنڈی پر چلتے چلتے وہ گلابو سے باتیں کرتا اپنی دُھن میں مگن چلا جا رہا تھا کہ اچانک اسے کھیتوں سے کسی جانور کی درد بھری آواز سنائی دی۔

اس نے رُک کر آواز کی سمت دیکھا، کچھ نظر نہ آیا تو گلابو کو وہیں چھوڑ کر کھیت کی طرف اتر آیا۔۔۔ کچھ فاصلے پر اُگی گھنی گھاس میں ایک سرمئی رنگت والا خوب صورت پرندہ اسے دکھائی دیا۔ احمد نے ذرا ڈرتے ڈرتے اس کو دھیرے سے چھوا۔

"یہ اسی کی آواز تھی۔" اس نے پریشان ہو کر زخمی پرندے کو دونوں ہاتھوں میں اٹھایا، وہ ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"یہ زندہ ہے گلابو۔" احمد پُرجوش ہوا۔

"چلو گلابو! جلدی گھر چلو! یہ زخمی ہے۔" اس کا جائزہ لیتے ہوئے اسے احتیاط سے ہاتھوں میں اٹھائے تیزی سے گھر کی جانب بھاگا، جبکہ گلابو اس کے پیچھے تھی۔

◆◆◆

"اماں اماں۔" وہ آندھی طوفان کی طرح گھر میں آتے ہی شور مچانے لگا۔

شاہینہ صحن کی جھاڑو لگا کر اب باورچی خانے میں مصروف تھی کہ اسے احمد کی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا، ایسے کیوں شور مچا رہا ہے بیٹا؟ سب خیریت ہے؟" وہ تیزی سے باورچی خانے سے نکل کر گھبرائی ہوئی اس تک آئی۔

"اماں یہ دیکھیں، یہ پرندہ مجھے کھیتوں میں ملا۔۔۔"

"یہ تو زخمی ہے۔ دیکھو اس کے پر ٹوٹے ہوئے ہیں۔" شاہینہ فکر مندی سے بولی۔

"اسے پانی دے احمد۔۔۔"

"کیسے اماں، یہ تو آنکھیں ہی نہیں کھول رہا۔"

"ٹھہر، میں کوشش کرتی ہوں۔ اس نے ذرا ڈرتے ہوئے اس کی چونچ کھول کر تھوڑا تھوڑا پانی منہ میں ڈالا۔۔۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور درد بھری کرّاہ منہ سے خارج کی۔

"اماں ایسا لگتا ہے یہ رو رہا ہے۔" احمد کی پریشانی دیدنی تھی۔

"اسے تکلیف ہو رہی ہے بیٹا۔"

"اماں اب یہ کیسے ٹھیک ہوگا؟ کیا ڈاکٹر کو دکھائیں!" احمد کو ایک اور فکر دامن گیر ہوئی۔

"ابھی اس کو کسی آرام دہ جگہ پر لٹا دو، تمہارے ابو آجائیں تو پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"

اماں نے ململ کے دوپٹے کو تہہ کر کے اس پر احتیاط سے اسے لٹا کر اس کا زخم دیکھتے ہوئے کہا۔

◆◆◆

عبداللہ کھیتوں سے لوٹا تو احمد سارا واقعہ پُرجوش ہو کر سنانے لگا کہ کیسے وہ اسے کھیتوں میں زخمی حالت میں ملا۔

"وہ مرہم لگانے کے بعد ٹھیک ہو جائے گا، کچھ کھانے کو دیا اسے؟" انھوں نے پوچھا۔

"نہیں یہ کچھ کھاتا ہی نہیں۔۔۔ پہلے دانہ دیا، وہ نہ کھایا پھر روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر رکھے، وہ بھی نہیں کھائے۔" احمد نے تشویش سے کہا۔

"بیٹے! یہ مہمان دانہ روٹی نہیں، بلکہ کیڑے مکوڑے، آبی پودے اور مچھلی شوق سے کھاتا ہے۔"

"پھر میں کہاں سے لا سکتا ہوں یہ سب۔۔۔؟" وہ لمحے بھر کو فکر مند ہوا، پھر کچھ سوچ کر اٹھا۔

"شرفو چاچا۔۔۔ ابا! میں شرفو چاچا کے یہاں سے چھوٹی مچھلیاں خرید کر لاتا ہوں اسے کھلانے کو۔"

"ہاں ہاں، جلدی سے دوڑو۔" ابا اس کی پھرتی دیکھ کر ہنس کر بولے۔

یوں ننّھے کونج کو احمد کے پاس رہتے ہوئے کتنے دن بیت گئے، وہ احمد سے کچھ کچھ مانوس ہو چکا تھا اور اب تو اس کے زخم بھی ٹھیک ہو چکے تھے۔

ایک دن اسکول سے آکر احمد اسی کونج کو لیے بیٹھا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" وہ تخت سے اتر کر دروازے تک آیا۔

"کھولو بیٹا میں ہوں۔" ہادی کی آواز سنتے ہی اس نے جھٹ دروازہ کھولا۔

"چاچو!" دروازہ کھول کر وہ فوراً اپنے چاچو سے لپٹ گیا۔

"کیسا ہے میرا شیر؟" اس نے محبت سے گود میں لے کر اسے گھما ڈالا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔"

"اسکول کیسا جا رہا ہے؟"

"بہت اچھا۔۔۔!"

"چاچو یہ دیکھیں، کچھ یاد آنے پر وہ پلٹا اور ننّھے کونج کو ہاتھوں میں تھامے ان کے پاس لے آیا۔

"زبردست۔۔۔ یہ تمہارے پاس کہاں سے آگیا؟" ہادی کے سوال پر اس نے ساری باتیں بتا دیں کہ کیسے وہ اسے ملا اور پھر کس طرح اس نے اس کی دیکھ بھال کی وغیرہ۔

"یعنی یہ کافی دن سے تمہارے ساتھ ہے؟ جانتے ہو یہ ایک نایاب پرندہ ہے۔" وہ اس کی بات سن کر بولے۔

"جی چاچو، ابا نے بتایا تھا۔ اتنے دن گزرنے کے باوجود بھی یہ اکثر بہت اداس ہو جاتا ہے، جیسے بہت دکھ میں ہو۔۔۔ اور ایسے آواز نکالتا ہے جیسے رو رہا ہو۔" احمد اداسی سے اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولا۔

"یہ بہت دور کا سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہے اور یہ اپنے غول سے بچھڑ کر پریشان ہے۔ میں معلوم کرتا ہوں کہ یہ پرندے ہمارے آس پاس کے کن علاقوں میں پڑاؤ ڈالتے ہیں، اگر یہ پتا لگ جائے تو شاید ہم اسے اس کے بچھڑے دوستوں سے ملا سکیں۔" ننّھے کونج کی اداسی مٹانے کو چاچو نے ایک راہ سجھائی۔

"اچھا۔۔۔ تو کیا یہ میرے پاس سے چلا جائے گا پھر۔۔۔؟" احمد کو تشویش لاحق ہوئی۔

"تو کیا تم ایسا نہیں چاہتے کہ یہ اپنے دوستوں سے مل کر خوش ہو جائے۔" ہادی نے کونج کے سر پر نرمی سے ہاتھ پھرتے ہوئے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔

"ہاں، یہی چاہتا ہوں میں بھی کہ بس یہ خوش ہو جائے۔"

"جانتے ہو، یہ پرندے ہر سال سردیوں کے موسم میں اپنے علاقے جو برف سے ڈھک جاتے ہیں، انھیں چھوڑ کر میدانی علاقوں کی طرف ہجرت کرتے ہیں، یہاں انھیں اپنا وقت گزارنے کے لیے مناسب حالات میسر آتے ہیں۔ یہ پرندے ڈار یعنی غول کی صورت صحرائی علاقے دریا سمندر عبور کرتے ہوئے کچھ پرندے ہمارے پاکستان کے آبی ذخائر پر بھی پڑاؤ ڈالتے ہیں۔"

ہادی کی باتیں وہ غور سے سننے لگا۔

"اچھا۔۔۔ مگر یہ پرندے اتنا لمبا سفر کیوں کرتے ہیں؟" احمد کی حیرانی دیدنی تھی۔

"سردیوں کے موسم میں ان کے وطن میں کھانے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا، کیوں کہ برفانی علاقوں میں برف پڑتی ہے، جھیلیں جم جاتی ہیں تو یہ پرندے خوراک کے لیے ہجرت کرتے ہیں، جبکہ گرمیوں میں انھیں اپنے وطن میں ہی خوراک مل جاتی ہے۔ یہاں کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو ان معصوم پرندے کو اپنی بے رحمی اور سفّاکی کا نشانہ بناتے ہیں، انھیں شکار کر کے انھیں پالنے یا بیچنے کے لیے پکڑ لیتے ہیں۔"

"یہ تو ان کی بہت غلط بات ہے۔ یہ ہمارے مہمان ہوتے ہیں اور کتنا مشکل سفر کر کے یہاں

اخلاقِ محمدی

ڈاکٹر الماس روحی

ہمارے پیارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صورت اور سیرت دونوں کے حسن و جمال سے نوازا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کی خوبی بیان کرنے والا کہا کرتا تھا کہ حضور ﷺ کی طرح آپ سے پہلے کوئی دیکھا نہ بعد میں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو کچھ قرآن میں ہے، وہ آپ ﷺ کے اخلاق ہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ کریم تھے۔ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے کچھ مانگا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میں نہیں دیتا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سچی بات کہتے اور جو وعدہ کرتے اسے پورا کرتے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر سب سے زیادہ شفقت رکھنے والے تھے کہ بلی کے لیے دودھ یا پانی کا برتن ٹیڑھا رکھتے، جب تک اس کا پیٹ نہ بھر جاتا۔ جانور بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ سب پر رحم فرماتے ہیں۔ ایک اونٹ نے حضرت محمد ﷺ سے شکایت کی کہ میرا مالک مجھ کو چارہ کم دیتا ہے اور کام زیادہ لیتا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ نے مالک کو اُونٹ کے ساتھ مہربان رہنے کا حکم دیا۔ نعمتِ الٰہی کو اگرچہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہوتی، بڑی سمجھتے۔ آپ ﷺ کبھی کسی کھانے میں عیب نہ نکالتے۔ آپ ﷺ پڑوسی کی خبر گیری رکھتے۔ مہمانوں کی تواضع فرماتے اور سب کے لیے دعا فرماتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مٹھی چھوارے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے لیے ان چھواروں میں برکت فرمادیجیے۔" پس آپ ﷺ نے دعا فرمادی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان چھواروں کو تھیلے میں رکھ لیا اور جب چاہتا اس میں سے نکالتا، مگر وہ ختم نہ ہوتے۔ میں راہِ خدا میں تقسیم کرتا، مہمانوں کو کھلاتا، گھر والے روز کھاتے، یہاں تک کہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ ہوا، اس دن وہ برکت ختم ہوگئی۔ حضرت محمد ﷺ مزاح بھی فرماتے، مگر مزاح میں بھی سچی بات کہتے۔ ایک بار ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ حضرت محمد ﷺ دعا فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے امِّ فلاں! جنت میں تو کوئی بھی بوڑھا نہ جائے گا۔" یہ سن کر وہ رونے لگی اور محفلِ مبارک سے جانے لگی، تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جنت میں تو جو بھی جائے گا، وہ نوجوان ہو کر جائے گا۔" یہ سن کر بڑھیا مسکرادی۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ سب سے زیادہ بُردبار تھے اور سب سے زیادہ عفّت و لحاظ رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ جس سے بھی ملتے، پہلے اس سے سلام میں ابتدا فرماتے۔ ہمیں اپنے نبی ﷺ کی ہر سنت پر عمل کرنا چاہیے، کیوں کہ

کوئی لفظوں سے کیسے بتادے، اُن کے رتبے کی حد کیا ہے
ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے، صرف اللہ ان سے بڑا ہے

آتے ہیں۔"

"ہاں بالکل! حالاں کہ ہمارا دین بھی ہمیں بے زبانوں پر رحم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایک صحابیٔ رسول ﷺ عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ اپنی بشری حاجت کے لیے تشریف لے گئے، ہم نے (چڑیا کی طرح کا) ایک سرخ پرندہ دیکھا، اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا تو وہ پرندہ (ان کے گرد منڈلانے اور) اپنے بازو پھڑپھڑانے لگا، اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور پوچھا: "اس پرندے کو اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے رنج پہنچایا ہے؟ اسے اس کے بچے لوٹادو۔"

"یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے تو اب ہمیں بھی اسے اس کے دوستوں تک جلد پہنچا دینا چاہیے۔" احمد ہادی کی بات سن کر جوش سے بولا۔

"میں پتا کرتا ہوں، تم دعا کرو اپنے دوست کے لیے۔" چاچو یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

◆◆◆

بڑی تگ و دو کے بعد ہادی نے ان کونجوں کے پڑاؤ کی قریبی جگہوں کا پتا کرالیا، اس سلسلے میں پرندوں کا شکار کرنے والوں نے سب سے زیادہ مدد کی۔

یوں دوسری صبح نماز کے بعد احمد اپنے چاچو اور ابو اور ان کے ایک دوست کے ہم راہ جیپ میں سوار اپنے ننھے دوست کو اس کے ساتھیوں سے ملانے لے جا رہا تھا۔ احمد اُداس بھی تھا اور خوش بھی۔۔۔ ننھا کونج اس کی گود میں اس کے کندھے سے سر لگائے بیٹھا تھا۔

جیپ تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

◆◆◆

"وہ دیکھو سامنے۔۔۔" عبداللہ نے بیٹے کو متوجہ کیا۔

"اوہ، زبردست!! اتنے سارے پرندے۔۔۔ دیکھو دوست تمہارے ساتھی۔ وہ خوشی اور جوش کی ملی جلی لہجے میں بولا۔

"اب اس کو احتیاط سے ذرا سا قریب جا کر چھوڑ آؤ۔" ہادی نے اس سے کہا۔

وہ سر ہلا کر دریا کی سمت چل پڑا۔

ننھے کونج نے اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر ایک مسرّت بھری آواز گلے سے نکالی اور اس کے ہاتھوں سے نکل کر تیزی سے بھاگا۔

◆◆◆

"رینی! میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ سفر مجھے میرے بیٹے سے ہمیشہ کے لیے دور کردے گا۔" کرین کی آنکھیں سرخ تھیں جبکہ رینی کی حالت اس سے زیادہ بری تھی "بس چند لمحوں کا کھیل تھا، ورنہ ہمارا بیٹا ایک لمبا سفر طے کرچکا تھا۔" وہ دریا کنارے اترتے ہی ایک دوسرے سے اپنے دل کا حال کہنے لگے۔

"وقت سب بھلا دیتا ہے پیارو!! ہمیں بھی کیکو کے بچھڑنے کا افسوس ہے پر۔۔۔ اس سفر میں کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ تو کھونا پڑ ہی جاتا ہے۔ کبھی بیماری، کبھی بھوک، کبھی شکاری۔ ہمارے بس میں کچھ نہیں۔ اللہ کی رضا میں راضی اور خوش رہو۔" ڈار کا معمّر پرندہ دونوں کا غم ہلکا کرنے کو ان کے پاس چلا آیا تھا اور بہت سے پرندے افسردگی سے قریب کھڑے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

وقت کا کام ہے گزرنا، سو دن پر دن بیتتے گئے اور ان کے واپس جانے کا وقت ہو چلا۔ اب انھیں وطن لوٹنا تھا اور خالی ہاتھ ہی لوٹنا تھا۔

◆◆◆

"ماما!" مسرت سے بھری چہکتی آواز۔۔۔ یہ کیکو کی آواز تھی جو وہ لمحے بھر میں پہچان چکی تھی۔ اس آواز کے تعاقب میں پانی سے نکل کر وہ تیزی سے خشکی کی جانب دوڑی تھی، ننھا کیکو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔

"میرا بیٹا" کچھ دور کھڑے کرین نے تیزی سے خشکی کی طرف جاتی رینی کو حیرت سے دیکھا، وہ رکی تو کرین کی نظریں اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوشی سے چمکنے لگیں، وہ اڑتا ہوا فوراً وہاں جا پہنچا۔

کیکو ماں باپ کے بیچ کھڑا تیز تیز آوازیں نکال کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

اور تھوڑے فاصلے پر جھاڑیوں کی جانب کھڑا احمد آنکھوں میں آنسو لیے اس محبت بھرے منظر کو دیکھ کر اپنا غم بھولے مسکرا رہا تھا۔

یقین کی دنیا

سمیرا انور

"سومیہ، سومیہ! تم سنتی بھی نہیں ہو۔ آج کہاں کھوئی ہو؟" مٹھو نے اپنی چونچ پنجرے سے باہر نکال کر غصے سے اس کی طرف دیکھا جو گھاس پر بیٹھی خاموش نظروں سے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مٹھو! تمھاری یہ عادت بہت بری ہے، تمھارا تیز اسپیکر کسی کو کچھ دیر کے لیے سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا۔" مینا نے اس کے پنجرے کی طرف گھومتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مینا! میں سومی کی وجہ سے تمھارا لحاظ کر جاتا ہوں، لیکن تم ہو کہ ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑانا پسند کرتی ہو، مجھے بھی تمھاری یہ عادت زہر لگتی ہے۔" مٹھو نے اپنی گول مٹول آنکھیں سے اس کو کھا جانے والے انداز سے دیکھا۔

"تم دونوں ہر وقت لڑتے رہتے ہو، اپنا جھگڑا چھوڑ کر سومیہ باجی کی طرف دیکھو، جن کی پیاری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، وہ ہم سے بہت پیار کرتی ہیں اور ہمارا بہت خیال رکھتی ہیں۔۔۔ تو کیا ہمیں زیب دیتا ہے، یوں اپنی لڑائی میں الجھ کر ان کو بھول جائیں۔" لال چڑیا نے پنجرے کے دوسرے خانے میں چھلانگ لگاتے ہوئے دونوں کو سومیہ کی طرف متوجہ کیا۔

"ہاں! وہ ہماری اچھی دوست ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی خوشی غمی کا خیال رکھیں۔" کبوتر میاں نے بھی اپنے پر پھڑپھڑائے ہوتے کہا۔

دراصل سومیہ ایک پیاری سی لڑکی تھی۔ وہ اپنی امی کے ساتھ ایک ریگستانی گاؤں میں رہتی تھی۔ اس گاؤں میں پانی کی بہت قلّت تھی، اگرچند ایک پانی کے کنوئیں بھی تھے تو بہت دور دور واقع تھے۔ سومیہ بہت نرم دل کی مالک تھی، وہ ہر کسی کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی۔ اس کی فرمائش پر ماموں جان نے اس کو بہت سے پرندے رکھ دیے تھے، تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلتی رہے۔ مٹھو تو بہت زیادہ بولتا تھا اور اس کے ہر لفظ کی سومیہ کو سمجھ بھی آجاتی تھی۔ مٹھو باقی پرندوں کی زبان بھی جانتا تھا اور پھر اپنی زبان میں سومیہ کو بتاتا کہ سب کیا کہنا چاہتے ہیں۔

"سومیہ باجی اب بتاؤ بھی سہی، ہم سب پریشان ہو رہے ہیں۔" مٹھو نے پھر سے اپنی تیز چونچ پنجرے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"دوستو! تم جانتے ہو، یہاں قریب ہی ایک پرائمری اسکول ہے، جس میں پانی پینے کے لیے صرف ایک ہی نلکا تھا جو کل سے پانی دینا بند کر چکا ہے، اب پریشانی اس بات کی ہے کہ وہ سب ننّھے بچے پانی کہاں سے پئیں گے؟ اس طرح پانی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے امی، ابو ان کو اسکول سے اٹھوا لیں گے اور وہ تعلیم حاصل نہیں کر پائیں گے۔" سومیہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آج انھوں نے اپنے لیے پانی کا بندوبست کیسے کیا؟ سب بچے پھر کل سے اسکول نہیں آئیں گے۔" مینا نے مٹھو کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی جسے سمجھ کر اس نے سومیہ سے یہی بات پوچھی تو وہ بولی: "آج تو اسکول کی انتظامیہ نے قریبی کنوئیں سے پانی منگوا لیا ہے، لیکن یہ ان کے پینے کا مستقل انتظام تو نہ ہوا اور تمھیں معلوم تو ہے کہ ہر طرف پانی کی کمی ہے، اگر اس کنوئیں کے مالکان نے مزید پانی دینے سے انکار کیا تو سب بچوں کے لیے اس اسکول میں آنا مشکل ہو جائے گا، کیوں کہ اس گرمی کے موسم میں ان کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"سومیہ! ہم تمھاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ ہمیں بھی اس بات کا بہت دکھ ہے۔" مٹھو نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

"تم اللہ سے دعا کرو۔۔۔ جو تجویز میرے ذہن میں ہے، اس پر میں اچھے طریقے سے عمل بھی کر سکوں۔" سومیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اگر ہو سکے تو ہمیں بھی اس نیکی میں شامل کر لو۔" مٹھو نے سب کے اثبات میں ہلتے سر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم سب میرے دوست ہو اور اس مشکل میں میرا ساتھ دو گے تو اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا ہو گا۔" سومیہ نے خوشی سے کہتے ہوئے اپنی تجویز انھیں بتادی اور پھر ان کی خوراک کا انتظام کرنے میں مگن ہو گئی۔

"مٹھو یہ سب کیسے ہو گا؟" مینا نے گہری سوچ میں ڈوبے مٹھو کی طرف دیکھتے ہوئے بے ساختہ ہی پوچھا۔

"ہاں مٹھو! ہم نے سومیہ کی مدد کرنے کی حامی تو بھر لی ہے، مگر اتنا اہم کام کیسے ہم چاروں سر انجام دیں گے۔" لال چڑیا نے بھی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

"کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے ہی مایوسی کی باتیں کرنے سے اس کام میں بگاڑ ضرور آ جاتا ہے۔" کبوتر نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اس کام میں ہمیں صرف ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہو گا۔" مٹھو نے تحمل سے سب کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

◆◆◆

اگلے دن وہ چاروں اپنے پنجرے سے اڑ گئے۔ مٹھو نے سب کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ مینا اور لال چڑیا ایک طرف کو اڑ گئیں اور کبوتر کو مٹھو نے اپنے ساتھ لے لیا۔

"دوستو! آج انسان کو ہماری مدد کی ضرورت ہے، انھوں نے ہی ہمارے لیے یہ خوب صورت جنگل لگائے ہیں، تاکہ ہم یہاں بسیرا کر سکیں۔" مٹھو نے جنگل میں پہنچ کر سب اپنے دوست پرندوں کو اکٹھا کرتے ہوئے کہا۔

"انسان دوست پرندو! ان دل کش اور میٹھے پھلوں سے لدے باغات سے زیادہ مستفید کون ہوتا ہے؟ مینا نے امرود کے درخت پر بیٹھتے ہوئے اپنے اردگرد موجود سب پرندوں سے پوچھا۔

"یہ باغات ہی ہمارے لیے خوش گوار زندگی کا ذریعہ ہیں، اس لیے ہم سب ہی ان سے زیادہ لطف اٹھاتے ہیں۔" بلبل نے چہکتے ہوئے کہا۔

"تو آج انسانوں کے گلشن تمھاری مدد کی اشد ضرورت ہے۔" لال چڑیا نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جس پر سب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ہم ان کی مدد کے لیے تیار ہیں۔"

"تو دوستو! پھر آج شام ہی یہ کام شروع کر دیا جائے۔" کبوتر نے سب کی طرف اُمید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"منظور ہے۔۔۔ منظور ہے۔" جنگل سے آوازیں ہوتی ہوئیں باغ تک جا پہنچیں، جسے سن کر وہاں بھی شور مچ گیا۔

اگلی صبح اسکول کی انتظامیہ نے حیران کن منظر دیکھا۔ نلکے والی جگہ کے اردگرد پرندوں کی بڑی

دیر آید درست آید

حفصہ محمد فیصل

علی اور افنان پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ ہم جماعت بھی تھے۔ دونوں اپنے محلے کی سڑک کے دوسرے کنارے پر بنے ایک درمیانے درجے کے پرائیویٹ اسکول کے طالب علم تھے۔ دونوں بچپن سے ساتھ پلے بڑھے تھے۔ اسکول چوں کہ گھر سے نزدیک تھا، اس لیے دونوں روازنہ پیدل ہی آتے جاتے تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی۔

آج کل علی اور افنان بہت پریشان تھے، دراصل ان کی جماعت میں ایک نیا لڑکا کاشان عرف ”شانی“ داخل ہوا تھا۔ شانی اور اس کا خاندان محلے میں ان کے گھر سے دو گلی آگے چند ماہ پہلے ہی منتقل ہوا تھا۔ اپنی عمر سے بڑا نظر آنے والا شانی اپنے قد کاٹھ کا استعمال کرتے ہوئے دوسرے لڑکوں پر رعب جھاڑتا، کبھی کسی کا لنچ چھین کر کھالیتا تو کبھی کسی کا پین یا رجسٹر لے لیتا۔

◆◆◆

علی اور افنان اس غنڈہ گردی کے آگے بند باندھنا چاہتے تھے، مگر وہ دونوں بھی کمزور سے تھے، لیکن ان دونوں کے حوصلے بلند تھے۔

انھوں نے کچھ اساتذہ کو بھی اس متعلق بتایا، مگر شانی امیر باپ کا بیٹا تھا، اس لیے اساتذہ بھی کچھ نہ کہہ سکے۔

علی اور افنان نے چند لڑکوں کو ساتھ ملا کر اس مسئلے کا حل نکالنا چاہا، مگر سب فساد سے ڈرتے تھے۔ آخر افنان نے جو بات بے بات کہاوتیں اور محاورے کہنے کا عادی تھا، کہا کہ اسے کہتے ہیں: ”اندھیر نگری چوپٹ راج“ جب تک ہمارے بڑے ہی اس کے خلاف کچھ نہ کریں گے تو ہم کیسے اس گند کو سدھار سکتے ہیں۔ علی کو بھی اس بات کا دکھ تو تھا، لیکن اس کا ذہن مسلسل اس مسئلے کا حل سوچنے میں لگا ہوا تھا۔ بالآخر علی کے دماغ میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔

علی نے اس سلسلے میں اپنے چاچو انسپکٹر سمیر کی مدد لینے کا فیصلہ کیا اور یہ بات جب اس نے افنان کو بتائی تو افنان بھی بہت خوش ہوا کہ اب یہ اونٹ کسی نا کسی کروٹ پر بیٹھ ہی جائے گا۔

◆◆◆

اتوار کے دن علی اور افنان، انسپکٹر سمیر کے چھوٹے مگر خوب صورت سے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ انسپکٹر سمیر نے دونوں کی ٹھنڈے شربت سے تواضع کی اور پھر ان کا مسئلہ بہت توجہ سے سنا۔

ٹھیک ہے بچو! میں کل پرسوں تک آپ کے اسکول چکر لگاتا ہوں اور اس سلسلے میں ضرور کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

علی اور افنان چاچو کی طرف سے انتہائی پُراُمید ہو کر نکلے۔

◆◆◆

دو دن بعد انسپکٹر سمیر نے صرف ایک بار پرنسپل صاحب اور شانی سے ملاقات کی اور پھر شانی کے طور طریقے بدل گئے۔ وہ ایک اچھا بچہ بن کر پڑھائی پر توجہ دینے لگا۔ علی اور افنان سمیت اسکول کے تمام بچے اس تبدیلی پر حیران تھے، مگر کسی میں بھی شانی سے اس تبدیلی کی وجہ جاننے کی ہمت نہ تھی۔

”چلو! خیر ہے، اس تبدیلی سے ہم بچے تو خوش ہیں نا!“ افنان لاپروائی سے بولا۔

”نہیں افنان! مجھے اس تبدیلی کی وجہ جاننی ہے، نہ کوئی مار پیٹ ہوئی، نہ ہی کوئی دنگا فساد۔۔۔ اتنی آسانی سے کیسے شانی جیسا لڑکا تبدیل ہو گیا بلکہ یک سر سدھر گیا، حیرت ہے!“ علی نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

◆◆◆

آج صبح اسمبلی میں سب بچوں کو ایک خوب صورت حیرت کا جھٹکا لگا، جب اسمبلی کے بعد پرنسپل صاحب نے شانی کو ڈائس پر آنے کی دعوت دی۔

دوستو! مجھے معلوم ہے کہ پچھلے چند دنوں سے آپ سب میرے رویے کی تبدیلی سے خوش ہونے کے ساتھ ساتھ متجسس بھی ہیں کہ آیا یہ تبدیلی کیسے رونما ہوئی؟

تو دوستو! پہلے تو میں آپ سب سے اپنے پچھلے رویے پر معذرت خواہ ہوں اور اس کے ساتھ ہی میں علی اور افنان کا شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے ایک نئی سوچ اور رُخ میرے اندر داخل ہوا۔

دراصل، انسپکٹر سمیر جو کہ علی کے چاچو ہیں، وہ علی اور افنان کی شکایت پر مجھ سے ملنے آئے تھے اور پھر انھوں نے میرے قد کاٹھ اور طاقت کو دیکھ کر نہ صرف میری تعریف کی بلکہ مجھے ایک نئی سوچ سے روشناس کروایا۔

انھوں نے کہا: ”شانی! اس طاقت کو مثبت استعمال کرو۔“

میں نے ان سے اس کا طریقہ پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ”اگر تم پڑھ لکھ کر اپنے جسم اور ذہانت کی بنیاد پر فوج یا پولیس سروس کا رُخ کرو تو تمھاری یہ طاقت ملک کی ترقی اور حفاظت کے کام آسکتی ہے۔“

پھر انھوں نے کہا کہ ”کمزوروں پر دھونس جمانا اور ظلم کرنا کہاں کی مردانگی ہے؟ یہ تو ملک دشمنوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ بس! یہ سن کر میری سوچ کا رُخ ہی بدل گیا۔“

مجھے ان کی بات بہت اچھے طریقے سے سمجھ آگئی اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں آئندہ اپنی اس طاقت کا مثبت استعمال کروں گا۔

ابھی شانی یہ کہہ کر رکا تھا کہ مجمع سے آواز آئی: اسے کہتے ہیں ”دیر آید درست آید“ اور سب بچے یہ سن کر مسکرانے لگے۔

یہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ
یہ آواز کس کی تھی۔۔۔؟

تعداد نے کھدائی شروع کر رکھی تھی۔ سب نے ان کو ہٹانے کی بہت کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ دور دور سے لوگ پرندوں کی جفاکشی دیکھنے آرہے تھے اور ان کو داد دے رہے تھے۔ کسی رپورٹر نے وہ خبر سوشل میڈیا پر پھیلا دی، بس پھر کیا ہوا حکومتی افسران نے ساری صورتِ حال کا جائزہ لیا، کیوں کہ مسلسل تین دن سے پرندے وہ جگہ نہیں چھوڑ رہے تھے۔ انھوں نے نہ صرف اسکول میں زمین دوز پانی کی پائپ لائن کا بل پاس کیا، بلکہ فوری طور پر اس پرانے نلکے کی جگہ نیا موٹر پمپ لگا دیا گیا اور پانی کی بحالی ہوتے ہی وہ سب انسان دوست پرندے وہاں سے ٹولیوں کی شکل میں اڑتے ہوئے واپس اپنے باغوں اور جنگلوں میں چلے گئے۔ البتہ سومیّہ اپنے چاروں دوستوں کی طرف تشکّر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی: ”مشکل سے مشکل کام بھی اگر ہمت اور یقین سے کیا جائے تو ریگستانوں کو بھی گلزار بنا سکتا ہے۔“ اس کے پیارے دوست اب ننّھے بچوں کو خوشی سے جھومتا دیکھ کر خود بھی خوشی سے گانے گا رہے تھے۔

حواریٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بنتِ تاجور

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندانِ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عوام اور دادا کا نام خویلد تھا۔ وہ ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والدِ محترم کا نام خویلد تھا اور یہ بات معروف ہے کہ وہ بہت بڑے تاجر اور مکہ کے معزّز سردار تھے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کی بیٹی تھیں اور پیارے نبی ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ اس طرح سید نا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پیارے نبی ﷺ کے پھوپھی زاد تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی، جو ذات النطاقین کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جو دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ آپ السّابقون الاوّلون میں سے تھے۔

قبولِ اسلام کے وقت آپ کی عمر آٹھ یا پندرہ سال تھی۔ آپ نے ہجرت سے ۱۸ سال پہلے ایمان قبول فرمایا۔ اسلام قبول کرنے پر آپ کے چچا نے آپ کو خوب مار/سزائیں دیں۔ وہ آپ کو چھت سے لٹکا کر کہتا کہ اسلام چھوڑ کر اپنے باپ دادا کے دین میں واپس آجاؤ۔ چچا نے طرح طرح کی اذیتیں دیں، آپ ساری تکلیفیں برداشت کرتے اور زبان سے یہ الفاظ دہراتے تھے:

لَآ اَرْجِعُ اِلَی الْکُفْرِ اَبَداً (سیر أعلام النبلاء 39/1)

ترجمہ: ”میں اَب کبھی کفر کی طرف لوٹ نہیں سکتا۔“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربیت اس ڈھنگ سے کی تھی کہ وہ نہایت سخت جان بن گئے۔ انھیں مارتی تھیں، تاکہ ان کا جسم مضبوط اور قوی ہو جائے۔ ایک دن کسی نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کو کیوں مارتی ہیں؟ فرماتیں:

اِنَّمَا اَضْرِبُهٗ لِکَیْ یَدِبَّ ثُمَّ یَجُرَّ الْجَیْشَ ذَا الْجَلَبْ

ترجمہ: ”میں اسے اس لیے مارتی ہوں کہ یہ باادب ہو جائے، پھر یہ پر کشش لشکر کو چلائے۔“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمبے قد کے نہایت طاقت ور انسان تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد اتنا لمبا تھا کہ گھوڑے پر سوار ہوتے تو پاؤں نیچے زمین تک پہنچ جاتے تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بڑے عالم، شجاع اور دلیر، مستقل مزاج اور مساوات پسند تھے۔ تاجر ہونے کی وجہ سے بہت دولت مند تھے۔ آپ کی جائیداد میں ایک مکان کوفہ، ایک مصر اور دو بصرہ میں اور گیارہ مکان مدینہ میں تھے۔ اس کے علاوہ زمین اور باغات کے بھی مالک تھے۔ امارات کے باوجود بالکل سادہ لباس پہنتے اور سادہ غذا کھاتے تھے۔ البتہ میدانِ جہاد میں ہمیشہ اعلیٰ اور عمدہ قیمتی لباس پہن کر بڑی آن بان کے ساتھ جاتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار ان دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے، جنہیں پیارے نبی ﷺ نے نام لے کر جنتی ہونے کی بشارت دی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیارے آقا ﷺ کے ساتھ سترہ برس کی عمر میں جہاد کا آغاز کیا اور تقریباً ہر جنگ میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طاقت کا اندازہ غزوۂ اُحد کے کارناموں سے ہوتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے لشکر ترتیب دیا تو دائیں ہاتھ پر منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اور بائیں پر زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ان کا معاون مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ جہاد کا آغاز ہوا تو میدانِ جنگ میں مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری سامنے آیا۔ یہ شخص قریش کا نہایت بہادر شہسوار تھا۔ اسے مسلمان کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور لڑائی کی دعوت دی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت کے سبب عام صحابہ اس کا مقابلہ کرنے سے کترا گئے، مگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بے دھڑک آگے بڑھے اور ایک لمحے کی مہلت دیے بغیر شیر کی طرح جست لگا کر اس کے اونٹ پر جا چڑھے، پھر وہ طلحہ عبدری کو اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود پڑے اور اسے مینڈھے کی طرح ذبح کر دیا۔ پیارے نبی ﷺ نے یہ ولولہ انگیز منظر دیکھا تو فرطِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے دعوتِ حق کے آغاز میں دارالارقم (حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان) کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی ان خوش قسمت صحابہ میں سے تھے، جو وہاں تشریف لے جاتے اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرتے تھے۔

پیارے بچو! ایک مرتبہ افواہ پھیل گئی کہ (معاذ اللہ) کسی نے رسول ﷺ کو شہید کر دیا ہے، بس پھر کیا تھا صحابہ کرام میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تو تن کر کھڑے ہو گئے۔

بچو! دراصل پیارے نبی ﷺ مکہ کے بالائی علاقے میں تشریف لے گئے تھے۔ واپس تشریف لانے میں تاخیر ہو گئی کہ ادھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تشویش لاحق ہوئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت بارہ سال تھی۔ انھوں نے اپنے والد کی تلوار میان سے نکالی اور اسے کندھے پر لٹکا کر چل دیے۔ لوگوں نے انھیں اس عالم میں دیکھا تو بڑی حیرانی سے کہا: اس لڑکے کو دیکھو! یہ تلوار لیے پھرتا ہے۔“ اتنے میں اللہ کے رسول ﷺ بھی تشریف لے آئے۔

آپ ﷺ نے انھیں تلوار تانے دیکھا تو دریافت فرمایا: ”زبیر! تم اس طرح کیوں پھر رہے ہو؟“ عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس لیے باہر نکلا ہوں کہ جس نے آپ ﷺ کو پکڑا ہے، اس کی گردن اتار دوں۔“

اس طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اسلامی تاریخ میں جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سب سے پہلے تلوار کھینچی، وہ سید نا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت جابرؓ انصاری بیان کرتے ہیں، نبی ﷺ نے غزوۂ احزاب کے روز فرمایا: ”کون شخص میرے پاس لشکر کی خبر لائے گا؟“ زبیرؓ بن عوام نے عرض کیا: ”میں!“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہر نبی کا ایک حواری (مخلص معاون) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیرؓ

قاسم کا فٹ بال

محمد فیصل علی

ایک دن قاسم اپنے ابو کے ہمراہ بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک فٹ بال پر پڑی۔ فٹ بال بہت خوب صورت تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ فٹ بال اسے مل جائے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے ابو نرم مزاج ہیں۔ اگر وہ ان سے فٹ بال کی فرمائش کرے گا تو وہ اس کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔ چناں چہ اس نے بہتی گنگا سے ہاتھ دھونے کا فیصلہ کیا اور فٹ بال کی فرمائش کر ڈالی۔ اس نے اپنے ابو سے کہا: "ابو ابو! مجھے فٹ بال چاہیے۔"

"ہوں، واقعی؟ دلا تو دوں مگر تم گھر میں توڑ پھوڑ کرو گے۔" ابو تذبذب کے عالم میں بولے۔

"نہیں ابو، وعدہ! میں بہت ہی احتیاط سے کھیلوں گا، پلیز دلا دیں نا!" قاسم نے فوراً وعدہ کر لیا۔

ابو نے اسے فٹ بال دلا دیا۔ قاسم خوشی خوشی گھر آ گیا۔ اب قاسم اور فٹ بال کا گویا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ جیسے ہی اسے پڑھنے لکھنے سے فرصت ملتی، وہ فٹ بال سے کھیلنا شروع کر دیتا اور پھر کھیلتا ہی چلا جاتا تھا۔ اس کا فٹ بال پورے گھر میں گھومتا رہتا تھا۔ کبھی ادھر تو کبھی ادھر۔ فٹ بال کو کک مارنے کی اس کی عادت اتنی پختہ ہو گئی تھی کہ اب تو وہ خالی خولی ہوائی ککیں بھی مارنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ اسے راستے میں کوئی بھی چیز نظر آتی تو وہ اسے بھی کک مارنے سے نہیں چوکتا تھا۔

ایک رات قاسم سویا ہوا تھا۔ یہ گرمیوں کا موسم تھا اور سب کی چار پائیاں باہر صحن میں بچھی ہوئی تھیں۔ اس نے آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کو دیکھا۔ فوراً ہی اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا اور وہ چونک پڑا۔

"واہ! ایسا ہو تو مزا ہی آ جائے۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

اسے چاند فٹ بال جیسا لگ رہا تھا اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے بھی کک لگائے۔ وہ کافی دیر تک چاند کو دیکھتا رہا۔ چاند کو تکتے تکتے اسے نیند آ گئی۔ اس رات اس نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بہت لمبا ہو گیا ہے۔ اس کا سر آسمان کو چھو رہا ہے اور اس کی ٹانگیں کسی بڑے ٹاور جتنی بڑی ہو گئی ہیں، اسی طرح اس کے پاؤں کسی بہت بڑی بس جتنے نظر آ رہے ہیں اور پھر اس نے اپنے سامنے چاند کو دیکھا جو فٹ بال کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ قاسم کا دل تو بلیوں اچھلنے لگا۔ اسے بہت خوشی ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر چاند کو زور سے کک لگائی اور چاند اڑتا ہوا بہت دور سمندر میں جا گرا۔ قاسم نے دیکھا کہ چاند اور وہ ایک ساتھ ہنسے تھے۔ شاید چاند کو سمندر میں نہاتے ہوئے مزا آ رہا تھا، اس لیے وہ ہنس رہا تھا۔ ابھی قاسم نے چاند کے ساتھ مزید کھیلنا تھا کہ اس کی نیند کھل گئی۔

آنکھ کھلتے ہی قاسم نے خواب کو ذہن میں دہرا کر مزا دوبالا کیا اور پھر اپنی امی کو خواب سنانے کے لیے چل پڑا۔

"امی امی! کیا چاند بھی ایک فٹ بال ہے؟"

"کیا مطلب؟" امی کو اس کی یہ بات سمجھ نہ آئی۔

اب اس نے اپنا سارا خواب امی کو سنا دیا۔

امی اس کا خواب سن کر ہنستی رہیں۔ پھر امی نے اسے بتایا کہ گول چیز کو سرکل یا دائرہ کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جس کا جسم گولائی میں ہو گا، اسے دائرہ نما کہا جائے گا۔ زمین بھی کسی حد تک دائرے کی شکل میں ہے اور سورج بھی دائرہ نما ہے۔ یہ سن کر قاسم کی حیرت دوچند ہو گئی۔ اب وہ دائرے والی اشکال کو ڈھونڈنے لگا۔ اسے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ اس کے گھر میں بہت سی چیزیں دائرے کی شکل میں تھیں۔ جیسا کہ پانچ روپے کا سکہ، پلیٹ، روٹی، روٹی پکانے والا توا، ابو کے میز پر پڑا ہوا گلوب وغیرہ۔ اس سے پہلے کہ وہ ان چیزوں کو بھی فٹ بال کی طرح اپنی کک کا نشانہ بناتا، امی نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے سمجھانے لگیں کہ ہر چیز کو کک نہیں مارتے۔ قاسم نے بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو امی نے ایک چاکلیٹ اس کے آگے کر دی۔ اس نے چاکلیٹ لی، امی کا شکریہ ادا کیا اور فٹ بال کو پاؤں کے ساتھ دھکیلتا ہوا پائیں باغ کی طرف بھاگنے لگا۔

ہیں۔" (مشکوۃ المصابیح)

آپ رضی اللہ عنہ ان چند مجاہدین میں سے تھے، جو دونوں ہاتھوں سے تلوار تھام کر لڑتے تھے۔ سبحان اللہ! ان کے اندر کس قدر قوت اور ہمت تھی، وہ دشمن سے مرعوب ہونا جانتے ہی نہ تھے۔

فتحِ مکہ کے دن مہاجرین کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ پیارے نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں جتنے بھی غزوات کیے، زبیر رضی اللہ عنہ ان میں شریک رہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم پر زخموں کے بہت سے نشان تھے۔ جنگِ یرموک میں آپ کی بہادری کی وجہ سے مسلمانوں کو فتحِ عظیم نصیب ہوئی۔

36 ہجری میں ایک سفر سے واپس مدینہ جا رہے تھے کہ راستے میں بنو تمیم کے ایک شخص عمرو بن جرموز نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوکے سے شہید کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ حالتِ نماز میں تھے کہ آپ کو بزدلوں نے شہید کر ڈالا۔ شہادت کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمرِ مبارک چھیاسٹھ (66) سال تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹراساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی / پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

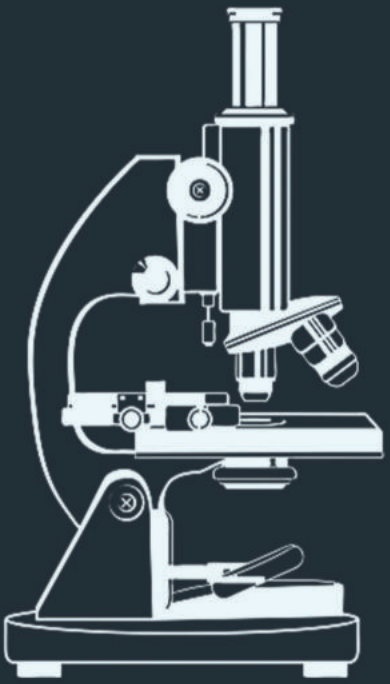

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی PSO پمپ سے متصل کراچی۔

بچوں کے فن پارے

محمد سعید 10 سال ٹیکسلا پاکستان

ماریہ سیف اللہ 10 سال بحریہ کالج اینکریج اسلام آباد

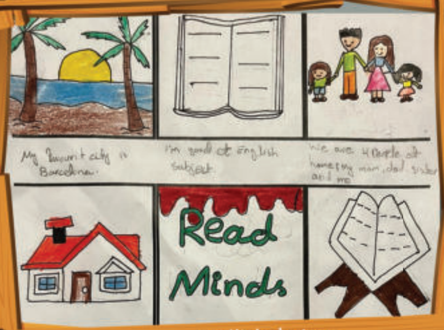

حوریہ ،بارسلونا اسپین

محمد یوسف نو سال ایجرز اسکولنگ سسٹم پشاور

عائشہ خرم ہفتم روضۃ السلام لنک روڈ کراچی

سارہ عمیر ہوم اسکولنگ کراچی

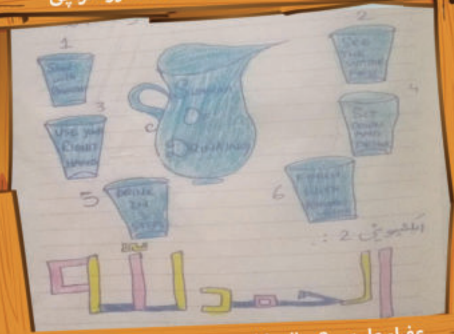

عفراء علوی ، 8 سال ، کلاس 3 المرتضیٰ اکیڈمی کراچی

مناہل جمشید ، 9 سال ، کلاس 3 کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ کراچی سے عائشہ خرم کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

ماہنامہ فہمِ دین
نومبر 2023ء کے سوالات

سوال 1: پرندوں کا اپنی ڈار کے ساتھ سفر کرنا کس چیز کی ضمانت ہے؟

سوال 2: افراتفری کے کیا معنی ہیں؟

سوال 3: قومِ عاد کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے کس پیغمبر کو بھیجا؟

سوال 4: ننّھے گھونگے کی موت کی وجہ کیا بنی؟

سوال 5: ان صحابی کا نام بتائیے جو دوڑ میں گھوڑوں کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے؟

پیارے بچو!!!

اس روئے زمین پر پہلی مسجد مسجد الحرام ہے، جب کہ دوسری مسجدِ اقصٰی ہے۔ پیارے بچو! یہ مقدّس اور بابرکت مسجد فلسطین میں ہے۔ یہ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، کیوں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اپنی مکی زندگی جو کہ 13 سال پر محیط ہے، میں مسجدِ اقصٰی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی اور ہجرت کے بعد بھی آپ 16 یا 17 ماہ تک مسجدِ اقصٰی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ قرآنِ پاک میں بھی اس مسجد کا ذکر ہے اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 1 میں اس مسجد اور اس کے اِرد گرد کے علاقے کو مبارک کہا گیا ہے۔ پیارے بچو! اس مسجد کا تعلق واقعہ معراج سے بھی ہے۔ شبِ معراج اسی مسجد میں آپ ﷺ نے نماز میں تمام انبیائے کرام کی امامت فرمائی اور پھر یہیں سے آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور ہاں اس مسجد کی جانب حصولِ ثواب کی خاطر سفر بھی کیا جاتا ہے اور یہاں پڑھی گئی نمازوں پر اجر بھی کہیں زیادہ ملتا ہے، لیکن دُکھ کی بات یہ ہے کہ یہ مسجد اس وقت یہود کے قبضے میں ہے۔ فلسطینی مجاہدین اس مسجد کی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اس مسجد کی آزادی کے لیے فلسطینی عوام اور مجاہدین کی مدد کریں اور اس بات کا پختہ عزم کریں کہ یہ مبارک و مقدّس مسجد ہم یہود کے ناجائز قبضے سے چھڑا کر دم لیں گے۔

اکتوبر 2023ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: عادت

جواب 2: مٹھی بھر خاک

جواب 3: اس سے کوئی دوستی نہیں کرتا تھا

جواب 4: قائدِاعظم ریزیڈنسی

جواب 5: 34 برس

نومبر 2023ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر سرگودھا سے

محمد حاشر علی

کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

یہ سوالات اکتوبر کے فہمِ دین سے لیے گئے ہیں، ان کا جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 15 نومبر ہے۔

جوابات کے لیے وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں

03351135011

حمدِ باری تعالیٰ

شاہد الوری

خوگر حمد بنا دیتا ہے عرفان تیرا
ورنہ قائل تو نہ ہوتا کبھی انسان تیرا

خاک کو لعل و جواہر کیا انسان کے لیے
تو نے ہر شے کو مسخر کیا انسان کے لیے

مہ و خورشید و کواکب کے دیے ہم کو چراغ
یہ سمندر یہ پہاڑ اور یہ صحرا یہ باغ

فضل سے اپنے کیا ہم کو حقائق آگاہ
نہ کیا جن و ملائک کو دقایق آگاہ

مدّعی عقل کے جتنے تھے وہ اندھے ہی رہے
صرف اندھے ہی نہیں، جہل کے مارے بھی رہے

ورنہ ہر سمت ہیں بکھری ہوئی آیات تیری
عشق والوں ہی نے پائی ہیں یہ سوغات تیری

لاکھوں درود لاکھوں سلام

ارسلان اللہ خان

سیّدِ ابرار پر لاکھوں سلام
خلق کے سردار پر لاکھوں سلام

ہر صحابی ہے نبی کا جنّتی
اُن کے ہر اک یار پر لاکھوں سلام

خود عدو کہتے ہیں صادق اور امین
آپ کے کردار پر لاکھوں سلام

آپ کے عفو و کرم پر ہوں درود
آپ کی تلوار پر لاکھوں سلام

جس نے دیکھا وہ صحابی بن گیا
آپ کے دیدار پر لاکھوں سلام

اسراء و معراج اور شقِّ قمَر
آپ کے انوار پر لاکھوں سلام

کانپتے تھے جس سے کافر جنگ میں
اُس سپہ سالار پر لاکھوں سلام

قیصر و کسریٰ کے دل دہلا دیے
آپ کے دربار پر لاکھوں سلام

مسجدِ نبوی کی عظمت پر درود
منبر و مینار پر لاکھوں سلام

ارسلؔاں آقا کے اہلِ بیت کے
ہر گلِ گُلزار پر لاکھوں سلام

مناجات

جناب خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

دنیا سے اس طرح ہو رخصت غلام تیرا
ہو دل میں یاد تیری ہو لب پہ نام تیرا

ہر ماسوا سے غافلِ شوقِ لقا میں تیرے
ہو جان و دل سے حاضر سن کر پیام تیرا

ہے خوبی دو عالم اک حسن خاتمہ پر
کرنا سر اس مہم کا ادنیٰ ہے کام تیرا

رگ رگ میں مرتے دم ہو صدق یقین کے باعث
تیرے نبی کی وقعت اور احترام تیرا

منکر نکیر آ کر دے جائیں یہ بشارت
تجھ کو رہے مُبارک حسنِ ختام تیرا

رحمت سے بخش دینا میرے گناہ سارے
روز جزا نہ دیکھوں میں انتقام تیرا

ہوں ارذلِ خلائق اشرف کا واسطہ ہو
شافع ہو جو نبیؐ ہے خیر الانام تیرا

اپنے کرم سے کرنا مجھ کو بھی ان میں شامل
جن پر عذاب یارب ہو گا حرام تیرا

اوروں کے آگے رسوا کرنا نہ مجھ کو مولیٰ
آگے ترے خجل ہے عاصی غلام تیرا

دینا جگہ مجھے بھی بندوں میں خاص اپنے
جب منعقد ہو یارب دربارِ عام تیرا

محشر میں ہو پہنچ کر اس تشنہ لب کو حاصل
تیرے نبی کے ہاتھوں کوثر کا جام تیرا

جنت میں چشمِ حیرت ہو شادکام میری
جلوہ رہے میسر اس کو مدام تیرا

ہو جملہ انبیاء پر اصحابؓ و اولیاءؒ پر
دائم صلوٰۃ تیری ، پیہم سلام تیرا

دونوں جہاں کا دُکھڑا مجذوب رو چکا ہے
اب آگے فضل کرنا یارب ہے کام تیرا

گلدستہ

ترتیب وپیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

دعا کے واسطے الفاظ کو تاثیر ملتی ہے
مدینے میں رضائے کاتبِ تقدیر ملتی ہے

برستی ہیں خدا کی رحمتیں باغِ مدینہ پر
ہر ایک سو سورہِ رحمان کی تفسیر ملتی ہے

لبوں کو چوم لیتی ہے مدینے سے ہوا آ کر
نبی ﷺ کے نام لیوا کو بڑی توقیر ملتی ہے

جو طیبہ دیکھ آئی ہیں انہیں تم غور سے دیکھو
ان آنکھوں میں درِ سرکار ﷺ کی تصویر ملتی ہے

ہے قائم سلسلہ آغاز سے ختمِ نبوت تک
ازل سے آج تک زنجیر سے زنجیر ملتی ہے

ہم انجم چھوڑ بیٹھے ہیں محمد ﷺ کے اصولوں کو
جدھر دیکھو ہوس دنیا کی دامنِ گیر ملتی ہے

انجم شادانی

حمدِ باری تعالیٰ

اے خدا تو نے اپنے بندوں کو
زندگی کی ہر ایک نعمت دی

تُو نے ہم کو بشر کیا پیدا
دو جہاں میں بشر کو عظمت دی

خاتم الانبیا کی امت میں
کر کے شامل بڑی سعادت دی

اچھی صورت سے سرفراز کیا
ساتھ کے ساتھ نیک سیرت دی

رنج سے فکر سے کیا آزاد
سکھ دیا راحت و مسرت دی

علم کا شوق بھر دیا دل میں
نیکیاں سیکھنے کی عادت دی

بخشی پاکیزگی خیالوں کی
اور کردار کی شرافت دی

نام جس کا ہے ارضِ پاکستان
ایسی اک بے مثال جنت دی

ہو گیا جن سے ملک مالا مال
وہ وسائل دیے، وہ دولت دی

دل سے دل مل گئے، قدم سے قدم
بھائی کو بھائی کی محبت دی

ہے ترا فضل بے کراں ہم پر
ہم کو تاریخ میں فضلیت دی

عاصی کرنالی

ممتاز بننے کا جذبہ

انسان تین چیزوں سے منفرد ہوتا ہے۔ ایک پیشہ، دوسرا جذبہ اور تیسرا کام۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک جتنے بھی لوگ ممتاز ہوئے ہیں، ان کا تعلق خواہ کسی بھی شعبے سے ہو، ان کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے کام نے انھیں ممتاز کیا۔ بہترین پیشہ ہو، بہترین جذبہ ہو، لیکن اگر کچھ کر کے نہیں دکھایا تو پھر ممتاز نہیں ہوا جا سکتا۔ وہ تمام کے تمام لوگ جو کچھ کر کے چلے گئے، دراصل ان کا جذبہ ان کے کام کے ذریعے نظر آتا ہے۔

یاد رکھیے! آدمی کو اس کا کام زندہ رکھتا ہے۔ کاؤنسلنگ اور کوچنگ میں جب کسی شخص کو پرکھا جاتا ہے تو اس کی قوت ارادی کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ایک سے دس میں سے کون سے نمبر پر ہے۔ اگر وہ پانچ سے کم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شخص کے اندر وہ جنون نہیں ہے، جو اسے مستقبل کو بہتر بنانے پر مجبور کرے، لیکن اگر نمبر پانچ سے اوپر ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر اتنا جنون موجود ہے کہ جو اس کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

تین چیزیں نیک بختی کی علامت ہیں

ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں انسان کی سعادت میں سے ہیں، ایک اچھی بیوی، دوسرے کشادگی والا گھر، تیسرے خوش گوار اور آرام دہ سواری۔ اس لیے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ "اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔"

(اصلاحی خطبات، مفتی تقی عثمانی، ج:13، ص:116)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق، دل کی وہی تنہائی
صوفی تبسم

کل کے مقبول، آج ہیں مردود
آہ! اس دورِ انقلاب کے رنگ
حسرت موہانی

بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول جو کچھ کہنا ہے کہہ دے
فیض احمد فیض

رات ان کی ہے کہ روزِ عیش کی تمہید ہے
ان شہیدوں کے لیے صبح قیامت عید ہے
حفیظ جالندھری

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا
علّامہ اقبال

دل میں پھر گریے نے اِک شور اٹھایا غالبؔ
آہ! جو قطرہ نہ نکلا تھا، سو، طوفاں نکلا
مرزا اسد اللہ خاں غالب

پیاروں کی موت نے مری دنیا اجاڑ دی
یاروں نے دور جا کر بسالی ہیں بستیاں
حفیظ جالندھری

ہر قدم پر نت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ
دیکھتے ہی دیکھتے کتنے بدل جاتے ہیں لوگ
حمایت علی شاعر

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے
خاطر غزنوی

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کے غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
داغ دہلوی

پاکستان کی قومی علامات

◆ پاکستان کا قومی پھول چنبیلی کا پھول ہے۔ ◆ قومی شاعر شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال ہیں۔

◆ قومی نعرہ قیامِ پاکستان کے بعد "پاکستان زندہ آباد" اور قیامِ پاکستان سے قبل "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" تھا، اب مناسب ہے کہ دونوں نعروں کو یک جا کر کے لگایا جائے۔

◆ قومی کھیل ہاکی ہے۔ ◆ قومی مشروب گنے کا رس ہے۔

◆ قومی ترانہ پاک سرزمین شاد باد، کشورِ حسین شاد باد ہے۔

◆ قومی سواری بائیک ہے۔ ◆ قومی پرندہ چکور ہے۔

قومی شاہراہ نیشنل ہائی وے یا این-5 ہے، 1819 کلو میٹر طویل یہ شاہراہ کراچی کے ساحلی شہر سے شروع ہوتی ہوئی سندھ کے حیدر آباد، نوشہرو فیروز اور خیر پور کے اضلاع سے گزرتی ہوئی پنجاب میں داخل ہوتی ہے، جہاں یہ ملتان تحصیل چیچہ وطنی، ساہیوال، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات جہلم اور راولپنڈی کے اضلاع سے گزرتی ہے۔ راولپنڈی سے یہ مشرق کی جانب موڑ کھاتی ہوئی دریائے سندھ عبور کر کے ایک مرتبہ پھر دریائے سندھ کے مغربی کناروں پر پہنچتی ہے، جہاں یہ اٹک خورد سے گزرتے ہوئے صوبہ سرحد (کے پی کے) میں داخل ہو جاتی ہے، جہاں نوشہرہ اور پشاور سے ہوتی ہوئی طورخم کے سرحدی قصبے پہنچتی ہے۔ اس شاہراہ کے کل 1756 کلو میٹر میں سے 1021 کلو میٹر پنجاب 671 کلو میٹر سندھ اور 127 کلو میٹر سرحد (کے پی کے) میں واقع ہے۔

◆ قومی درخت دیودار ہے۔ ◆ قومی جانور مارخور ہے

(اسلامی جمہوریہ پاکستان، ڈاکٹر عادل خانؒ، ج:1، ص:258)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح

نبوت کے گیارہویں سال نبی کریم ﷺ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز عطا فرماتے ہیں کہ ان کی صاحب زادی کو اپنے نکاح میں لے لیتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں وہ واحد خاتون ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت کنواری تھیں۔ سیدہ کی رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوتی ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں بطورِ خاص اشاعتِ اسلام کے لیے منتخب فرمایا۔ انھیں ذہانت و فطانت، فصاحت و بلاغت اور حاضر جوابی جیسی صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا۔ ان کا بچپن ان کے والدِ گرامی اور امت کے سب سے بڑے عالم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زیرِ تربیت رکھا، جہاں انھوں نے فہمِ اسلام کے ساتھ ساتھ شاعری، علم الانساب، تعبیرِ رویا جیسے علوم میں مہارت حاصل کی، پھر یہ معلّمِ کائنات کی زوجیت میں آگئیں اور شرعی علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام جب کسی مسئلے کو حل کرنے سے عاجز آ جاتے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے نصف صدی تک اس امت کو علومِ نبوت سے روشناس کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

(سنہری سیرت، ص:144)

BAITUSSALAM OLYMPIAD'23
CELEBRATING THE SPIRIT OF UNITY

بیت السلام اولمپیاڈ 2023ء

رپورٹ: نبیل احمد شیخ

بیت السلام جہاں بیسیوں تعلیمی اور رفاہی بیش بہا خدمات انجام دے رہاہے، وہیں طلبہ کے لیے ہم نصابی سر گرمیوں کا بھی انتظام کرتا ہے، بیت السلام کے زیر اہتمام جامعات، اسکول و کالج کے طلبہ تو یہ سر گرمیاں سال بھر مختلف مواقع پر انجام دیتے ہی رہتے ہیں، بیت السلام نے دوسرے تعلیمی اداروں کے طلبہ کے لیے بھی سات سال پہلے بیت السلام اولمپیاڈ کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا، جس کا مقصد طلبہ میں یک جہتی اور بھائی چارا پیدا کرنا ہے، مختلف علاقوں، قوموں اور زبانوں سے وابستہ طلبہ اپنے تعلیمی ادارے کے تعارف اور باقاعدہ اجازت سے ان مقابلوں میں حصہ لیتے ہیں، ان میں کچھ اکیڈمک مقابلے ہوتے ہیں اور کچھ اسپورٹس مقابلے۔

7 ویں اولمپیاڈ مقابلے ان شاءاللہ جمعرات 2 نومبر سے شروع ہوں گے اور جمعہ 10 نومبر تک جاری رہیں گے۔ افتتاحی تقریب کورنگی (کراچی) میں واقع انٹیلیکٹ اسکول میں جمعرات 2 نومبر کو ہوگی، تمام اکیڈمک اور اسپورٹس مقابلے اسی اسکول میں انجام پائیں گے جن کی تعداد 24 سے زیادہ ہوگی، 300 اسکولوں کے تقریبا 2500 طلبہ ان مقابلوں میں حصہ لیں گے اتوار 12 نومبر کو معین خان اکیڈمی میں اختتامی اور انعامی تقریب ہوگی، جس میں مختلف شعبہ جات سے معروف شخصیات کی تشریف آوری ہوگی، اس تقریب میں بہترین کارکردگی پیش کرنے والے طلبہ کو انعامات اور شیلڈ دی جائیں گی ان شاءاللہ

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

J.
FRAGRANCES
FOR THE
RIDE
OF YOUR LIFE
RULER
Burak Özçivit
J.